کارل مارکس کی شہرۂ آفاق تصنیف

سرمایہ

خاکہ، تبصرے اور ضمنی مواد

تحریر: فریڈرک اینگلز

طبقاتی جدوجہد پبلیکیشنز

دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ!

"Synopsis of Karl Marx's Capital"

Written By: Friedrich Engels

’جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں‘

نام کتاب: سرمایہ؛ خاکہ، تبصرے اور ضمنی مواد

مصنف: فریڈرک اینگلز

مترجم: امیر اللہ خان

نظر ثانی ترجمہ: امتیاز حسین

ایڈیشن: جون 2014ء

تعداد اشاعت: 500

ناشر: طبقاتی جدوجہد پبلیکیشنز 105 منگل مینشن رائل پارک لکشمی چوک لاہور

فون: 042-36316214 فیکس: 042-36365659

پرنٹرز: یاسر عمیر پرنٹرز

صفحات: 157

قیمت: 300

e-mail: editor@struggle.com.pk

www.struggle.com.pk

www.marxist.com

فہرست

عرضِ ناشر 09

پیش لفظ 13

1۔ ''سرمایہ'' جلد اول پر تبصرے

مارکس کی ''سرمایہ'' 21

کارل مارکس، ''داس کیپیٹل'' 28

سرمائے کے بارے میں کارل مارکس کے خیالات 35

2۔ ''سرمایہ'' کا خاکہ

کارل مارکس ''سرمایہ'' جلد اول

پہلا حصہ: سرمایہ دارانہ پیداوار کا عمل

پہلا باب: اشیا اور روپیہ

1۔ شے بطورِ خود 62

2۔ شے کے تبادلے کا عمل 64

3۔ روپیہ یا اشیاء کی گردش 66

ا۔ قدروں کا پیمانہ 66

ب۔ گردش کا وسیلہ 67

i۔ اشیاء کی صوری تبدیلی 67

ii۔ روپے کی کرنسی 69

iii۔ سکہ؛ قدر کی علامتیں 70

ج۔ روپیہ 71

i۔جمع وست 72

ii۔ادائیگی کا وسیلہ 72

iii۔عالمگیر روپیہ 74

دوسرا باب: روپے کی سرمائے میں تبدیلی

1۔سرمائے کے لئے عام کلیہ 75

2۔عام کلیے میں تضادات 78

3۔قوتِ محن کی خرید وفروخت 81

تیسرا باب: مطلق قدرِ زائد کی پیداوار

1۔محنت کا عمل اور قدرِ زائد پیدا کرنے کا عمل 84

2۔بقا پذیر اور تغیر پذیر سرمایہ 86

3۔قدرِ زائد کی شرح 88

4۔دیہاڑی 89

5۔قدرِ زائد کی شرح اور مقدار 94

چوتھا باب: متعلقاتی قدرِ زائد کی پیداوار

1۔متعلقاتی قدرِ زائد کا تصور 96

2۔اشتراکِ عمل 97

3۔تقسیمِ محن اور مینوفیکچر 102

4۔مشینری اور جدید صنعت 106

i۔مشین بجائے خود 106

ii۔مشینری کے ذریعے قوتِ محن پر تصرف 109

iii۔ پوری فیکٹری اپنی کلاسیکی شکل میں 111
iv۔ فیکٹری کے نظام اور مشین کے خلاف مزدوروں کی جدوجہد 113
v۔ مشین اور قدرِ زائد 114

پانچواں باب: قدرِ زائد کی پیداوار کے متعلق مزید تحقیقات

3۔ ضمیمہ برائے ''سرمایہ'' جلد سوئم

1۔ قدر کا قانون اور منافع کی شرح 119
2۔ اسٹاک ایکسچینج 139
تتمہ: سرمایہ کی تیسری جلد کے ستائیسویں باب میں اضافہ 142
اصطلاحات 146

عرضِ ناشر

کارل مارکس کی تصنیف ''سرمایہ'' جو اپنے جرمن نام ''داس کیپیٹل'' سے بھی معروف ہے، کی شہرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ آج بھی دنیا بھر میں سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادوں کو سنجیدگی سے سمجھنے والے اسی کتاب سے رجوع کرتے ہیں۔ 1867ء میں اپنی پہلی اشاعت سے لے کر آج تک تقریباً ڈیڑھ سو سال کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن اس دوران اس کتاب کی اہمیت کم ہونے کی بجائے مسلسل بڑھی ہے۔ اس دوران سرمایہ دارانہ نظام کے زوال اور اس کے علم و دانش سمیت سماج کے ہر حصے پر پڑنے والے اثرات کے باعث اس عظیم تصنیف کو سمجھنا آج آسان نہیں رہا۔ گو کہ اس کتاب کا موضوع سیاسی معاشیات ہے لیکن اس موضوع کو نہ صرف جدلیاتی مادیت کے فلسفے کے تحت بیان کیا گیا ہے بلکہ اہم فلسفیانہ نتائج بھی اخذ کیے گئے ہیں۔ اسی طرح تاریخی مادیت کے اصولوں کے پیش نظر سرمایہ دارانہ نظام اور انسانی سماج کے عمومی ارتقاء پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح عالمی ادب سے دی گئی مثالیں قاری کو جمالیاتی حظ بھی فراہم کرتی ہیں۔ زیر نظر کتاب مارکس کی ''سرمایہ'' اور اس میں موجود کلیدی نکات کو سمجھنے میں مدد دے گی۔

''سرمایہ'' کے خاکہ کو ایک حوالے سے پہلے چار حصوں کا خلاصہ بھی کہا جا سکتا ہے جو مارکس کے دیرینہ کامریڈ اینگلز نے خود لکھا تھا۔ اسی طرح ''سرمایہ'' پر لکھے جانے والے تبصرے اس عظیم تصنیف کا انتہائی خوبصورت تعارف پیش کرتے ہیں۔ جبکہ کتاب کے آخر میں موجود ضمنی مواد تیسری جلد کے اہم نکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس حوالے سے اس کتاب کو ''سرمایہ'' کی تمہید کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جسے پڑھنا مارکسی نظریات میں دلچسپی رکھنے والے تمام افراد کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اردو زبان میں اس عظیم تصنیف کا ترجمہ پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ زیر نظر کتاب کا اردو ترجمہ 1974ء میں سوویت یونین میں پہلی دفعہ شائع ہوا تھا۔ موجودہ ترجمہ قارئین

کی سہولت کے پیش نظر بعض تبدیلیوں کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ۔انگریزی لفظ Commodity کے لیے بعض تراجم میں جنس کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے لیکن یہاں اس کا ترجمہ شے کیا گیا ہے۔اسی طرح Labour Power کا ترجمہ قوتِ محن کیا گیا ہے۔اسی طرح کچھ اور تراکیب بھی کچھ قارئین کو نئی معلوم ہوں گی لیکن اگر کسی کو پڑھنے میں دشواری ہو تو اس کی وجہ ترجمہ اور تراکیب کا استعمال نہیں بلکہ خیال اور معنی کی وسعت اور گہرائی ہے۔ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سی اردو تراکیب کی جگہ انگریزی تراکیب ہی زیادہ عام ہوتی ہیں اس لیے ان کا اردو ترجمہ قاری کے لیے آسانی کی بجائے مشکل پیدا کر دیتا ہے،اس لیے ان تراکیب کے اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ ان کی انگریزی بھی شامل کی گئی ہے۔اس کے باوجود چونکہ عمومی طور پر پائی جانے والی سطحی دانش، بے معنی تجزیہ اور گمراہ کن تناظر روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکے ہیں اس لیے سنجیدہ تصانیف کو سمجھنا مزید مشکل ہو جاتا ہے۔انہی دقتوں کے باعث مارکسزم سے دلچسپی رکھنے والے بھی کئی دفعہ راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔موجودہ کتاب کو شائع کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ''سرمایہ'' کی ضخامت اور وسعت سے گھبرا کر ہچکچانے والے قارئین کے لیے اس علم کے سمندر تک پہنچنے کا رستہ فراہم کیا جائے۔لیکن دوسرے حوالے سے اس کتاب کو ''سرمایہ'' کا جوہر بھی کہا جا سکتا ہے۔گو کہ یہ مختصر سی کتاب اس عظیم تصنیف کا متبادل کبھی بھی نہیں ہو سکتی لیکن سوشلسٹ انقلاب کی جدوجہد میں مگن انقلابیوں کے لیے یہ کتاب وہ ضروری مواد یقیناً مہیا کرتی ہے جو اس تاریخی فریضے کو ادا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

بنیادی نظریات پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے نظام کو بدلنے کی کٹھن جدوجہد میں فیصلہ کن مراحل پر غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن کا خمیازہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔سوویت یونین کا انہدام ایسا ہی ایک واقعہ تھا جب خود کو مارکسسٹ اور کمیونسٹ کہلوانے والوں نے اسے سوشلزم اور مارکسزم کی ناکامی قرار دیا۔یہی لوگ امریکی سامراج کے ''تاریخ کے خاتمے'' کے فلسفے پر شعوری یا لاشعوری طور پر یقین لے آئے اور مارکسزم کے عظیم نظریات کو رد کرنا شروع کر دیا۔کارل مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کے عروج و زوال اور انہدام کی پیش گوئی جذباتی بنیادوں پر نہیں کی تھی بلکہ ٹھوس سائنسی بنیادوں پر ثابت کیا تھا کہ اس نظام کے بنیادی تضادات کیا ہیں اور کیوں اور کیسے یہ ایک تاریخی مرحلے پر آ کر انسانیت کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن چکا ہے جسے ایک سوشلسٹ

انقلاب کے ذریعے اکھاڑنا آج کے عہد کا اہم ترین فریضہ ہے۔مارکسی اساتذہ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے اور انہیں دیانت داری سے سمجھنے والے کبھی ایسے پراپیگنڈے کا شکار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی بڑے سے بڑے واقعات ان کے پختہ عزم میں دراڑیں ڈال سکتے ہیں۔ان نظریات سے عدم آگہی اور ان کو مسخ کر کے غلط نظریات کو پروان چڑھانے کے باعث ہی ہم نے ماضی میں انسانیت کے خلاف بہت بڑے جرائم دیکھے ہیں۔چین اور روس جیسے دیوہیکل ممالک کی معیشتیں اور پورے سماج بھی جب مارکسی نظریات سے انحراف کر گئے تو ان کا انجام آج سب کے سامنے ہے۔لینن اور ٹراٹسکی کی قیادت میں 1917ء برپا ہونے والے انقلاب نے مارکسزم کی سچائی کو پوری دنیا کے سامنے ثابت کر دیا تھا۔سوشلسٹ نظام کی سرمایہ داری پر فوقیت ''سرمایہ'' کے صفحات سے نکل کر بھاری صنعت سمیت سماج کے ہر شعبے میں ثابت ہوئی تھی۔لیکن سوویت یونین کی سٹالنسٹ زوال پذیری کے باعث یہ تمام حاصلات ختم ہوتی چلی گئیں۔مارکسزم کے نظریات اور بین الاقوامیت سے انحراف بالآخر سوویت یونین کے انہدام پر منتج ہوا۔اس کو بنیاد بنا کر عالمی سامراجی قوتوں نے مارکسزم کے خلاف عالمگیر پراپیگنڈا کیا۔گو کہ مارکسزم کو غلط ثابت کرنے کی ناکام کوششیں روز اول سے ہی جاری ہیں لیکن اس واقعے کے بعد ان کوششوں میں نہ صرف تیزی آ گئی بلکہ ان کے پاس سوشلزم کے خلاف ایک رجعتی یلغار کے لیے بہت سا مواد بھی میسر آ گیا۔ان تمام کوششوں کے باوجود سرمایہ دارانہ نظام کو انسانوں کے وسیع تر حصوں کے لیے قابل قبول بنانے کی تمام کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکیں۔گیلیلیو کی تحقیق کو غلط قرار دینے کے بعد کلیسا زمین کو سورج کے گرد گھومنے سے نہیں روک سکا۔اسی طرح مارکس کے نظریات کو غلط کہنے والے سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی تضادات کو ختم نہیں کر پائے اور نہ کبھی کر سکیں گے۔

سطحی سوچ رکھنے والے ہمیشہ عالمی معیشت کے دیوہیکل حجم اور پوری دنیا پر اس کی جکڑ دیکھ کر اسے ابدی اور لازوال سمجھیں گے اور سرمائے کے دیوتا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔لیکن جدلیاتی مادیت پر یقین رکھنے والے اور مارکسزم کو سمجھنے والے جان سکتے ہیں کہ اس نظام کی بنیادوں میں جو تضاد ہیں وہ اسے مسلسل کھوکھلا کر رہے ہیں اور اس کی گلی سڑی لاش نسلِ انساں پر ایک اذیت ناک بوجھ بن گئی ہے۔یہی آگہی وہ جذبہ، جرات، حوصلہ اور ولولہ پیدا کرتی ہے جس سے انسان کرۂ ارض کے تمام ناخداؤں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتا ہے جن میں سب سے بڑا خدا

سرمایہ ہے۔

آج کے عہد کا بنیادی تضاد سرمائے اور محنت کا تضاد ہے۔ کرہ ارض پر پیدا ہونے والی تمام دولت انسانی محنت کا نتیجہ ہے جبکہ اس پر قبضہ اور حکمرانی سرمائے کی ہے۔ جس طرح یونانی دیو مالا میں ایک دیوتا Moloch کو خوش کرنے کے لیے معصوم بچوں کو آگ میں پھینک دیا جاتا تھا آج اسی طرح سرمائے کے دیوتا کی خوشی کے لیے اس کے پجاری لاکھوں انسانوں کی بلی چڑھا رہے ہیں۔ یہ کھیل اتنا خونخوار ہو گیا ہے کہ پوری انسانی تہذیب کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ یقیناً اس کو اب مزید برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ سرمائے کی اس حکمرانی کے خلاف محنت کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ کا وقت آ گیا ہے۔ ایک ایسی طبقاتی جنگ جس میں سرمایہ دار طبقے کے خلاف محنت کش طبقہ منظم ہو کر انسانی تہذیب کی بقا اور نجات کے لیے لڑے گا۔ اس عظیم اور نسل انسانی کی فیصلہ کن جنگ میں یہ کتاب اور اس میں موجود نظریات ایک اہم ہتھیار ثابت ہوں گے۔ ان نظریات سے لیس عالمی پرولتاری فوج کے سپاہی اس معرکے میں یقیناً کامیاب ہوں گے اور ظلم کی اس نگری میں سرخ سویرا طلوع ہو کر رہے گا۔

ادارہ جدوجہد

22 مئی 2014ء، لاہور

پیش لفظ

مارکس کے ''سرمایہ'' کے سلسلے میں اینگلز نے جو کچھ لکھا، اس کا قلیل حصہ اس مجموعے میں شامل ہے۔ نصف صدی سے زیادہ مدت تک اینگلز کی تخلیقی سرگرمیوں کے تانے بانے مارکس کی تخلیقی سرگرمیوں سے قریبی طور پر وابستہ رہے۔ مارکسزم کے بانیوں کی باہمی خط و کتابت سے اس انتہائی سرگرم عملی حصہ کا پتہ چلتا ہے جو ''سرمایہ'' کے متعدد اہم ترین قضیوں میں اینگلز کا ہے اور یہ کہ اپنے مشوروں، اپنی فراہم کی ہوئی واقعاتی معلومات اور اپنے تنقیدی تبصروں سے انہوں نے کس طرح مارکس کی متواتر مدد کی۔ اینگلز کی بہت ساری تصانیف مارکسی تعلیمات کے بنیادی قضیوں کے ارتقاء پر اور ثبوت فراہم کرنے پر وقف ہیں۔ مارکس سے عرصہ دراز تک ذاتی طور پر عملی تعاون کے بعد اینگلز نے ''سرمایہ'' کی آخری دو جلدیں جو کہ مسودے کی صورت ہی میں رہ گئی تھیں، پہلی جلد کے نئے ایڈیشن اور مارکس کی بہت سی دوسری تصانیف شائع کرنے کا زبردست کام انجام دیا۔ مارکس کی ان تصانیف کے جو اینگلز نے شائع کرائی تھیں، متعدد دیباچے لکھے جو مارکس کی تعلیمات کے مخالفین کے خلاف اور ان کی مدافعت میں ہیں۔

☆☆☆

زیر نظر مجموعے کا پہلا حصہ ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے تین تبصروں پر مشتمل ہے۔ 1867ء میں پہلی جلد کے شائع ہونے کے بعد مارکس اور اینگلز کے اولین فرائض میں سے ایک یہ تھا کہ خاموشی کی اس سازش کو توڑا جائے جس سے بورژوازی ان تعلیمات کے جرثومے کو ہلاک کر دینا چاہتی تھی جس سے اس کو نفرت تھی۔ 1859ء میں مارکس کی تصنیف ''سیاسی معاشیات کی تنقید میں اضافہ'' کی اشاعت کا واقعی سازش خموشی سے استقبال کیا گیا تھا۔ ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کا بھی یہی حشر ہونے کا اندیشہ تھا۔ مارکس کے ساتھیوں نے اور ان میں سب سے پہلے اینگلز نے، اس منصوبے کو ناکام کرنے میں زبردست کوششیں کیں۔ مزدور طبقے کی مطبوعات ان دنوں انتہائی محدود تھیں۔ عام اخبارات کے ذریعے، جو کہ بورژوازی کے ہاتھوں میں تھے، صرف گھما پھرا کر بات کر کے ہی، ان پڑھنے والوں میں اس کتاب کے بارے میں دلچسپی پیدا کرنا ممکن تھا جن میں

اس بات کی صلاحیت ہو کہ اس کے تصورات پھیلانے میں مدد دے سکیں۔ بورژوا ایڈیٹروں کی بے اعتمادی کو فتح کرنے کے لیے اینگلز کو غیر معمولی سوجھ بوجھ دکھانی پڑی تھی۔ انہوں نے متعدد تبصرے لکھے جو ذو معنی الفاظ میں ہوتے تھے۔ اتنی ہی پرفن زبان میں جو روسی انقلابیوں کو ان مطبوعات میں استعمال کرنی پڑتی تھی جن کی قطع و برید زار شاہی کے ہاتھ میں تھی۔ بورژوا ایڈیٹروں کی طبقاتی جذبے کے تحت سینسر شپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اینگلز کے تبصروں کا ایک حصہ تو شائع ہی نہیں ہوا اور ایک حصہ مسخ کر دیا گیا۔

''سرمایہ'' کی پہلی جلد پر اینگلز کے نو تبصروں میں سے تین زیر نظر مجموعے میں شامل ہیں۔ پہلا ''ڈیما کراٹی شیس ووخین بلاٹ'' (''جمہوری ہفت روزہ'') کے شمارہ 12 اور 13 مورخہ 21 اور 28 مارچ 1868ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایک سوشلسٹ جریدہ تھا جو جرمنی کے شہر لائپزیگ سے ولیم لیبکنیخت کی ادارت میں نکل رہا تھا۔ دوسرا ان دنوں کے ترقی پسند بورژوا جریدے ''رائنی شے زائٹونگ'' کے مدیر کو مارکس کے دوست کوگیلمان نے بھیجا تھا جنہوں نے ''سرمایہ'' پر تبصروں کا اہتمام کرنے میں بڑا حصہ ادا کیا تھا۔ یہ شائع نہیں ہوا۔ تیسرا تبصرہ انگریزی کے ''فورٹنائٹلی ریویو'' (پندرہ روزہ تبصرہ'') کے لیے لکھا گیا تھا جس میں ترقی پسند خیالات رکھنے والے پروفیسر بیسلے کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ (موصوف نے اس بین الاقوامی جلسے کی صدارت کے فرائض سرانجام دیے تھے جو 1864ء میں لندن میں منعقد ہوا تھا جس میں پہلی انٹرنیشنل کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔) اینگلز نے اس تبصرے پر مصنف کی جگہ اپنے دوست سموئل مور کا نام لکھ دیا تھا۔ مضمون کا صرف پہلا حصہ لکھا گیا تھا، اختتامیہ بعد میں لکھا جانا تھا۔ لیکن رسالے کے ناشر اور مالک نے اس تبصرے کی اشاعت کی مخالفت کی اور یہ شائع ہی نہیں ہوا۔

اس مجموعے کا دوسرا حصہ ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے خاکے پر مشتمل ہے جو اینگلز نے لکھا تھا۔ ''سرمایہ'' پر مارکس کے کام میں اینگلز نے سرگرم عملی حصہ لیا تھا۔ پہلی جلد جیسے جیسے چھپتی گئی، مارکس اس کے الگ الگ جزو اینگلز کو بھیجتے گئے اور انہوں نے ہر بات، ہر جزو پر اپنی مفصل رائے لکھی۔ جیسے ہی پہلی جلد چھپ کر تیار ہوئی، اینگلز نے اس کا خلاصہ تیار کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ 17 اپریل 1868ء کو مارکس کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا:

''میرے پاس وقت محدود ہے اور آپ کی کتاب کا خلاصہ تیار کرنے کے لیے اس سے

زیادہ وقت درکار ہے جتنا کہ میں نے سوچا تھا۔ آخر کام کی ذمہ داری ایک بار جب لے لی ہے تو مجھے اس کو ٹھیک ڈھنگ سے کرنا چاہیے اور محض خاص طور پر موجودہ مقصد ہی کے لیے نہیں۔''

جس ''موجودہ مقصد'' کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بظاہر ''فورٹنائٹلی ریویو'' کے لیے تبصرہ لکھنے کا تھا۔ لیکن اس خاکے پر ایک سرسری نظر ڈالنا ہی یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کافی ہے کہ انہوں نے واقعی کام ''ٹھیک ڈھنگ سے اور محض خاص طور پر موجودہ مقصد ہی کے لیے نہیں'' کیا تھا۔

اینگلز کے پاس ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے صرف پہلے چار بابوں کا خلاصہ کرنے کے لیے وقت تھا۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس جلد کا پہلا ایڈیشن چھ بابوں میں تقسیم تھا، جنہیں بعد کے ایڈیشنوں میں حصہ کہا گیا، پانچویں باب کو دو حصوں میں توڑ دیا گیا۔ اس طرح اس کے سات حصے بن گئے۔ اس لیے اینگلز نے جن چار بابوں کا خلاصہ کیا وہ ''سرمایہ'' کی موجودہ پہلی جلد کے پہلے چار حصوں کے مطابق ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ''سرمایہ'' کے بعد کے ایڈیشنوں میں مارکس نے متعدد اضافے اور اصلاحیں کیں۔ مثال کے طور پر، پہلے ایڈیشن میں مارکس نے پہلے باب میں، جو جنس تجارت (Commodities) کے متعلق ہے، قدر (Value) اور اس کی ایک بُنتر (Form) کی حیثیت سے قدرِ مبادلہ (Exchange Value) کے درمیان فرق پر خاص طور پر بحث نہیں کی تھی؛ قدر کی بُنتر (Form of Value) کا خاصا بڑا حصہ اس جلد کے آخر میں تتمے کی صورت میں دیا گیا اور اینگلز کے خاکے میں اس کو شامل نہیں کیا گیا۔

اینگلز کے تبصرے اور خاکہ ''سرمایہ'' کے مطالعے میں بیش قیمت مدد دیتے ہیں۔ ''سرمایہ'' میں جو کچھ بھی ہے اینگلز کے خاکے میں وہ بڑی حد تک خود مارکس ہی کے الفاظ میں دے دیا گیا ہے۔ خاکے اور تبصروں میں بنیادی نکتہ قدر زائد (Surplus Value) کا نظریہ ہے جو مارکس کی معاشی تعلیمات کا سنگ بنیاد ہے۔ اینگلز نے مارکس کے نظریہ قدر زائد کا، ان تاریخی حالات و کوائف کی تفصیلی خصوصیات پیش کرتے ہوئے، خاص احتیاط سے خلاصہ کیا ہے، جن میں سرمایہ دارانہ استحصال کے تعلقات پھیلے، جدوجہد میں مزدور طبقے نے پہلے اقدامات کئے اور محنت اور سرمائے کے درمیان پہلی جھڑپیں ہوئیں۔ اینگلز کا خاکہ اس چیز کو ابھار کر سامنے لانے میں بڑا مددگار ہے جو سب سے زیادہ بنیادی ہے؛ یہ اہم ترین نظریاتی مسئلوں پر قارئین کی توجہ مرکوز کر دیتا

ہے۔ مارکس کی تقلید کرتے ہوئے، اینگلز نے اپنے خاکے میں واضح کیا ہے کہ ایک زمرے (Category) میں سے دوسرے میں عبور حجت بحث کی اپج نہیں ہے بلکہ ارتقاء کے حقیقی تواریخی علم کا عکس ہے۔ مارکس کی تشریحی ترتیب کو قائم رکھتے ہوئے انہوں نے دکھایا کہ تاریخی ارتقاء کے دوران کس طرح شے کی پیداوار کی بنیاد پر سرمایہ نمودار ہوا، کس طرح اس نے ساری پیداوار کو اپنے ماتحت کرلیا، کس طرح سادہ اشتراکِ عمل کی جگہ مینوفیکچری نظام نے لی اور پھر اس کی جگہ مشینی پیداوار نے۔ اینگلز نے یہ بھی دکھایا کہ کس طرح سرمایہ داری میں طبقاتی تضادات میں شدت بڑھنے سے اور مشینوں کے سرمایہ دارانہ استعمال سے ''پرانے سماج کا تختہ الٹنے اور نئے کے قیام کے عناصر پختگی'' حاصل کرتے ہیں اور پرولتاریہ کے سوشلسٹ انقلاب کی جانب لے جاتے ہیں۔

اس مجموعے کا تیسرا حصہ ایک انشائیہ ہے جسے ''سرمایہ'' کی تیسری جلد کا ضمیمہ ہونا تھا، جو کہ اینگلز نے اپنی زندگی کے آخری سال میں لکھا اور جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ مارکس کی ہدایت پر اینگلز نے دوسری اور تیسری جلدیں شائع کرا کے ''سرمایہ'' کی اشاعت مکمل کی، پہلی جلد کے تیسرے اور چوتھے ایڈیشن تیار اور شائع کئے اور متعدد زبانوں میں ترجموں کے لیے ہر ممکن امداد فراہم کی۔ ''سرمایہ'' کی تیسری جلد دسمبر 1894ء میں چھاپے خانے سے آئی۔ اس کے منظر عام پر آتے ہی سرگرم علمی مناظرہ شروع ہوگیا۔ ''سیاسی معاشیات کی تنقید میں اضافہ'' اور ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے منظر عام پر آنے کا جس سازش خموشی سے بورژوازی نے استقبال کیا تھا، وہ دسویں دہائی میں مارکسزم کے خلاف ایک ناکارہ ہتھیار ثابت ہوئی۔ مزدور طبقے کی تحریک کی نشوونما اور مارکسی تعلیمات کے تیزی کے ساتھ فروغ نے بورژوازی سے مطالبہ کیا کہ وہ لڑائی کے نئے طریقے اختیار کرے۔ ''سرمایہ'' کی تیسری جلد پر اخبارات کا جو ردعمل ہوا اس کا اینگلز نے انتہائی توجہ سے مطالعہ کیا۔ اگرچہ وہ اس بے رحم بیماری میں مبتلا تھے جو کہ جلد ہی مرض الموت ثابت ہوئی، انہوں نے اپنا تخلیقی نظریاتی کام ترک نہیں کیا۔ اپنی زندگی کے آخری ہفتوں کے دوران میں ان کے قلم نے شاندار ''ضمیمہ برائے ''سرمایہ''، جلد سوئم'' کی آخری سطریں تحریر کیں۔ اینگلز نے اس تصنیف کا ذکر اپنے بعض خطوط میں کیا ہے۔ 21 مئی 1895ء کو کاؤتسکی کے نام اپنے خط میں انہوں نے مطلع کیا:

''اسی دوران میں تم کو ''نیوزائٹ'' کے لیے ایک تصنیف۔۔۔ ''سرمایہ'' جلد سوئم کا ضمیمہ اور تتمہ بھیجنے والا ہوں۔ نمبر 1: قانون قدر (Law of Value) اور شرحِ منافع، سود بمرت اور

شمت کے شبہات کا جواب۔ بعد میں شمارہ 2 بھیجوں گا: اس زمانے کے مقابلے میں جبکہ 1865ء میں مارکس نے اسٹاک ایکسچینج کے متعلق لکھا تھا، اس کا بڑی حد تک بدلا ہوا کردار۔ مانگ اور وقت کے لحاظ سے اس کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔''

اینگلز ان دو حصوں میں سے پہلے ہی کو کسی نہ کسی طرح چھاپے خانے کے لیے تیار کر سکے۔ دوسرے کا صرف بہت مختصر خلاصہ خاکے کی صورت میں، جو کہ اینگلز نے خود اپنے لیے تیار کیا تھا، باقی رہ گیا ہے۔ پہلا حصہ ان کے انتقال کے تھوڑے دنوں بعد ''نیوزائٹ'' میں شائع ہوا تھا۔ مختصر خاکہ ''ایکسچینج کے وظائف میں تبدیلیاں'' (Alterations in the Function of Exchange) 1932ء تک منظر عام پر نہیں آیا۔

قانون قدر اور شرح منافع پر اینگلز کا مضمون ''سرمایہ'' کی تیسری جلد میں ایک اہم اضافہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ بحیثیت مجموعی پورے مارکسی معاشی نظریے کو صحیح طور سے سمجھنے کے لیے قابل لحاظ اہمیت کا حامل ہے۔ مارکس کے بے شمار نقادوں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کاغذ کے پہاڑوں کے پہاڑ سیاہ کر ڈالے کہ جیسے ''سرمایہ'' کی پہلی اور تیسری جلدوں کے درمیان تضاد ہو۔ اپنے مضمون میں اینگلز نے مارکسزم کے کٹر دشمنوں کو اور ان کو بھی بے نقاب کیا جنہوں نے مارکسزم کے ''دوستوں'' کا لبادہ اوڑھ کر قدر کو گھٹا کر ''ایک منطقی حقیقت'' (A Logical Fact) بنا دیا تھا۔ (و۔سومبرت) یا ''نظریاتی اعتبار سے ناگزیر من گھڑت'' (Theoratically Indispensable Fiction) (س۔شمت)۔ مارکس کے اس قضیے کو نقطہ آغاز بنا کر کہ قدر کو نہ صرف نظریاتی بلکہ تواریخی اعتبار سے بھی قیمت پیداوار پر تقدم حاصل ہے، اینگلز نے تبادلے کے فروغ اور نشوونما کے ساتھ ساتھ قدر کے تاریخی اعتبار سے نمودار ہوتے ہوئے اور قدر سے پیداوار کی قیمتوں کی جانب تاریخی عبور کو دکھایا ہے جب سادہ جنس تجارت (Simple Commodity) کی پیداوار (Production) پر سرمایہ داری نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

اس انشائیے کی غیر معمولی قدر و قیمت اس میں مضمر ہے کہ وہ سادہ شے کی پیداوار کی خاصیت اور اس وضع کی پیداوار سے سرمایہ داری کی جانب عبور کے عمل کی جامع اور واضح کرداری خصوصیت ظاہر کرتا ہے۔ قانون قدر کو اینگلز نے شے کی پیداوار کے قانونِ حرکت (Law of Motion) کی حیثیت سے پیش کیا۔ انہوں نے اس دور کی غیر معمولی طوالت پر زور دیا جس کے دوران قانون

قدر موثر رہتا ہے۔ متعدد حقیقی تاریخی مثالوں کے ذریعے انہوں نے سرمایہ دارانہ تعلقات کے ظہور پر روشنی ڈالی اور ثابت کیا کہ کس طرح یہ تعلقات پیداوار کی مملکت پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اینگلز کا یہ انشائیہ مارکسی نظریہ قدر کی حقیقی مادی وضاحت کا ایک شاندار نمونہ ہے اور مارکسزم کو تصوراتی انداز میں مسخ کرنے کی ہر قسم کی کوششوں کے خلاف جدوجہد میں اب تک یہ ایک لاجواب ہتھیار ہے۔

جیسے کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے معاشیات پر اینگلز کی آخری تصنیف کا دوسرا حصہ ایک مفصل منصوبے ہی کی شکل میں رہا۔ اس میں اینگلز نے اپنے سامنے یہ مقصد رکھا تھا کہ انیسویں صدی کے آخری ثلث کے دوران سرمایہ دارانہ معیشت میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، جو ارتقا ہوا اس کے خدوخال پیش کریں۔

وہ آزادانہ مقابلہ بازی کی پرانی سرمایہ داری سے سامراجیت کی جانب، اجاراہ دارانہ سرمایہ داری (Monoply Capitalism) کی جانب عبور کا دور تھا، جس کی امتیازی خصوصیت بورژوا نظام کے تضادات کی زبردست نشوونما اور ان میں شدت تھی۔ سرمایہ داری کی بلند ترین منزل کی حیثیت سے سامراجیت کا مارکسی مطالعہ لینن نے کیا، جنہوں نے مارکس اور اینگلز کے کام کو جاری رکھا اور مارکسزم کو ایک نئے اور بلند تر مرحلے پر پہنچایا۔ ''سرمایہ'' میں سرمایہ دارانہ پیداوار کے ارتقاء کے بنیادی قوانین کے مارکس کے مطالعے کو بنیاد بنا کر لینن نے اپنا یہ نظریہ مرتب کیا کہ سامراجیت سرمایہ داری کی ایک نئی اور آخری منزل ہے، ان تضادات اور دائمی ناسوروں کو بے نقاب کیا جو اس کو کھائے جا رہے ہیں اور اس کے زوال اور پرولتاری انقلاب کی فتح کا ناگزیر ہونا واضح کیا۔

سرمایہ داری کے ارتقاء کی نئی تاریخی منزل کی امتیازی خصوصیات اینگلز پیش نہ کر سکے کیونکہ وہ اس زمانے تک زندہ ہی نہ رہے جب کہ اس کی تشکیل مکمل ہوئی۔ اسٹاک ایکسچینج کے متعلق اپنے مضمون کے مسودے میں انہوں نے سرمایہ دار ملکوں کی معیشت کے بعض اہم مظاہر کی جانب، سرمایہ داری کے ارتقا میں نئی منزل کا سوال اٹھائے بغیر، محض اشارہ کیا۔ کاروباروں میں مشترکہ املاک (Joint-Stock) کے عام ہونے پر، انفرادی کاروبار مشترکہ املاک کی کمپنیوں میں تبدیل ہو جانے پر، کاروباروں کے آپس میں مل کر پوری ایک شاخ کی تشکیل ہو جانے پر اور، آخر میں، اجارہ داریوں کے نمودار ہو جانے پر انہوں نے غور وخوض کیا۔ بڑی اجارہ داری کی ایک مثال کی حیثیت سے انہوں نے انگریزی یونائٹڈ الکلی ٹرسٹ کا اور اس کے ساٹھ لاکھ پاؤنڈ کے

سرمائے کا ذکر کیا جو کہ فی زمانہ بڑا ہی زبردست تھا۔ ''سرمایہ'' کی تیسری جلد کے ستائیسویں باب میں اینگلز کا ادارتی اضافہ بھی اجارہ داریوں کے متعلق ہے۔ اس کو موجودہ مجموعے میں تتمے کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ اپنے خاکے کے اختتامی دو نکات میں اینگلز نے سرمائے کی برآمد اور نوآبادیاتی دنیا کی تقسیم کا مسئلہ اٹھایا۔

سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے تحت
علمی ادارہ مارکسزم لینن ازم، 1974ء

1۔ ''سرمایہ'' جلد اول

پر تبصرے

مارکس کی ''سرمایہ''(1)

(1)

جب سے سرمایہ دار اور مزدور کرۂ ارض پر موجود ہیں مزدوروں کے لئے اتنی اہم کتاب شائع نہیں ہوئی ہے جتنی کہ یہ جو کہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ سرمائے اور محنت کے درمیان تعلق، اس محور کے متعلق جس پر ہمارا پورا موجودہ سماجی نظام گھومتا ہے، اس میں علمی اعتبار سے پہلی بار وضاحت کی گئی ہے، اور ایسی صراحت کے ساتھ جس کی ایک جرمن کو ضرورت ہے۔ اوون، سینٹ سائمن، فورئے کی تحریریں جتنی قابل قدر ہیں اور رہیں گی، ان ہی کے پائے کی یہ تصنیف مقسوم تھی ایک جرمن کے لیے کہ وہ سب سے پہلے اس بلندی پر چڑھ جائے جہاں سے جدید سماجی تعلقات کا پورا میدان ٹھیک اسی طرح صاف طور پر اور پورے منظر کے ساتھ نظر آئے جیسے کہ بلند ترین چوٹی پر کھڑے ہو کر نیچے کے پہاڑوں کے منظر کا نظارہ کرنے والے کو۔

اب تک سیاسی معاشیات نے ہم کو سکھایا تھا کہ محنت تمام دولت کا سرچشمہ اور تمام قدروں کا پیمانہ ہوتی ہے۔ وہ اس طرح سے کہ ایسی دو اشیاء جن کی پیداوار پر ایک ہی وقتِ محن (Labour Time) صرف ہوا ہو، یکساں قدر کی حامل ہوتی ہیں اور ان کا آپس میں تبادلہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ عموماً صرف مساوی قدریں ہی ایک دوسرے سے تبادلہ کرنے کے قابل ہوتی ہیں۔ لیکن، اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ سکھاتی ہے کہ ایک طرح ذخیرہ کی ہوئی محنت بھی ہوتی ہے جس کو وہ سرمایہ کہتی ہے؛ اور یہ بھی کہ یہ سرمایہ، اپنے ان امدادی وسائل کے باعث جو اس کے اندر موجود ہوتے ہیں، زندہ محنت کی کارگزاری کو سینکڑوں اور ہزاروں گنا بڑھا دیتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک معاوضہ طلب کرتا ہے جس کو اصطلاحاً نفع یا فائدہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اس طرح رونما ہوتا ہے کہ ذخیرہ کی ہوئی، مردہ محنت کے منافعے روز بروز بھاری بھرکم ہونے لگتے ہیں، سرمایہ داروں کا سرمایہ دیو پیکر ہونے لگتا ہے، جبکہ زندہ محنت کی اجرت متواتر گھٹتی ہے اور ان محنت کشوں کا انبوہ کثیر جن کا گزارا صرف اجرتوں پر ہوتا ہے، تعداد میں اور افلاس میں بڑھتا ہی

چلا جاتا ہے۔اس مخاصمت کو حل کیسے کیا جائے؟ سرمایہ دار کے لیے اس وقت منافع کیسے باقی رہ سکتا ہے جب مزدور کو اس محنت کی پوری قدر واپس مل جائے جو وہ اپنی بنائی ہوئی شے میں شامل کرتا ہے؟ لیکن پھر بھی صورتحال یہی رہتی ہے کیونکہ تبادلہ صرف برابر کی قدروں کا ہوتا ہے۔ دوسری طرف، برابر کی قدروں کا تبادلہ کیسے کیا جا سکتا ہے، مزدور کو اپنی تیار کی ہوئی شے کی پوری قدر کیسے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ، بہت سے معاشیات دانوں کے اعتراف کے مطابق، یہ شے مزدور کے اور سرمایہ دار کے درمیان تقسیم ہوتی ہے؟ اب تک سیاسی معاشیات اس تضاد کے سامنے بے دست و پا رہی ہے اور بے معنی جملے لکھتی ہے اور ہکلا ہکلا کر دوہرایا کرتی ہے۔ سیاسی معاشیات کے سابقہ سوشلسٹ نقاد بھی اس تضاد کو پیٹنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پائے تھے؛ کسی نے اس کو حل نہیں کیا ہے، صرف اب آخر کار مارکس نے اس عمل کا سراغ لگایا جس کے ذریعے یہ منافع پیدا ہوتا ہے، اور ٹھیک اس مقام کا کھوج لگا لیا ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ہر چیز واضح کر دی ہے۔

سرمائے کے ارتقاء کا کھوج لگاتے ہوئے مارکس کا نقطہ آغاز وہ سادہ سی، معروف واضح حقیقت ہے کہ سرمایہ دار اپنے سرمائے کو تبادلے کے ذریعے حساب بڑھت دیتے ہیں۔ وہ اپنے روپے سے اشیاء خریدتے ہیں اور بعد میں لاگت سے زیادہ زرِ نقد میں فروخت کر دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی سرمایہ دار ایک ہزار ٹیلر (اس دور کی کرنسی: مترجم) کی کپاس خریدتا ہے اور پھر اسے ایک ہزار ایک سو میں فروخت کر دیتا اور اس طرح ایک سو ٹیلر ''کما لیتا ہے''۔ ابتدائی سرمائے پر ان فاضل سو ٹیلروں کو مارکس نے قدر زائد کا نام دیا ہے۔ یہ قدر زائد کہاں سے آتی ہے؟ معاشیات دانوں کے مفروضے کے مطابق صرف برابر کی قدروں ہی کا تبادلہ کیا جاتا ہے اور نری تجریدی تھیوری کے دائرے میں یہ درست بھی ہے۔ چنانچہ کپاس کی خرید اور فروخت سے صرف اتنی ہی معمولی مقدار میں قدرِ زائد حاصل ہو پاتی ہے جتنی کہ چاندی کے ایک ٹیلر کا چاندی کے تیس گروشنوں (جیسے سو روپے کے نوٹ کا پانچ روپے کے بیس سکوں سے تبادلہ: مترجم) سے تبادلہ کرنے اور پھر ان کا چاندی کے ایک ٹیلر سے باز تبادلہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے کسی کے پاس نہ کچھ آتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس سے کچھ جاتا ہے۔ لیکن قدر زائد اس طریقے سے پیدا نہیں ہوگی جبکہ کوئی فروخت کرنے والا اشیائے تجارت ان کی قدر سے زیادہ داموں پر فروخت کرتا ہے، یا خریدنے والا ان کو ان کی قدر سے کم میں خریدتا ہے، کیونکہ

ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی باری میں خریدنے اور بیچنے والا ہوتا ہے اور اس لیے توازن پھر برابر ہو جائے گا۔ خریدنے والے اور بیچنے والے ایک دوسرے پر اگر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کریں تو بھی یہ پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اس سے کوئی نئی چیز یا زائد قدر پیدا نہیں ہوگی بلکہ صرف یہ ہو گا کہ سرمایہ داروں کے درمیان موجود سرمایہ مختلف مقداروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اشیائے تجارت کو سرمایہ داران کی اپنی قدر پر خریدتا اور ان کی اپنی قدر پر فروخت کرتا ہے، اس کو اپنی لگائی ہوئی قدر سے زیادہ قدر مل جاتی ہے۔ یہ کیسے ہوتا ہے؟

موجودہ سماجی تعلقات کے تحت سرمایہ دار کو اشیائے تجارت کی منڈی میں ایک ایسی شے ملتی ہے جو ایسے منفرد خاصے کی حامل ہے کہ جس کا استعمال نئی قدر کا سرچشمہ ہوتا ہے، نئی قدر کی اس سے تخلیق ہوتی ہے۔ یہ شے قوت محن (Labour Power) ہے۔

قوتِ محن کی قدر کیا ہوتی ہے؟ ہر شے کی قدر کی پیمائش اس محنت سے کی جاتی ہے جو اس کی پیداوار کے لیے چاہیے ہوتی ہے۔ قوت محنت کا وجود جیتے جاگتے مزدور کی شکل میں ہوتا ہے جس کو خود اپنے اور اپنے کنبے کی معاش کے لیے ایک معین مقدار میں وسائل زندگی کو ضرورت ہوتی ہے جس سے اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ اس کی موت کے بعد بھی قوتِ محن فراہم ہوتی رہے۔ چنانچہ ذرائع بقا کی پیداوار کے لیے جو وقت محنت ضروری ہوتا ہے وہ قوتِ محن کی قدر کو ظاہر کرتا ہے۔ سرمایہ دار اس کو ہفتے وار مزدوری دیتا ہے اور اس طرح مزدور کی ایک ہفتے کی محنت کا استعمال خرید لیتا ہے۔ یہاں تک تو معاشیات دان حضرات قوت محنت کی قدر کے بارے میں ہم سے اتفاق کریں گے۔

سرمایہ دار اب اپنے مزدور کو کام پر لگاتا ہے۔ ایک خاص وقت کے اندر مزدور اتنی محنت فراہم کر چکا ہوگا جو اس کی ہفتے وار مزدوری کے برابر ہوگی۔ فرض کیجئے کہ کسی مزدور کی ہفتے وار اجرت محنت کے تین دنوں کے برابر ہے، تو اگر مزدور اپنا کام پیر سے شروع کرتا ہے تو بدھ کی شام تک وہ سرمایہ دار کی ادا کی ہوئی اجرت کی پوری پوری قدر کا بدلہ چکا چکتا ہے۔ لیکن پھر کیا وہ کام کرنا بند کر دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ سرمایہ دار نے اس کی ہفتے بھر کی محنت خریدی ہوئی ہوتی ہے اور مزدور کو ہفتے کے آخری تین دن بھی کام کرتے رہنا ہے۔ مزدور کی یہ زائد محنت، جو کہ اُس کی اُجرت کے بدل سے فاضل اور زائد ہے، یہی قدرِ زائد، منافع، سرمائے کی تواتر میں بڑھت کا اصل منبع ہے۔

یہ صوابدیدی مفروضہ ہرگز نہیں ہے کہ مزدور تین دن میں اُس اجرت کو پیدا کر چکتا ہے جو کہ

اس کو ملتی ہے اور باقی تین دن سرمایہ دار کے لیے کام کرتا ہے۔ اپنی اجرت کا بدلہ چکانے میں اس کو ٹھیک تین دن لگتے ہیں، دو یا چار، یہاں یہ کوئی خاص اہم بات نہیں ہے اور اس کا انحصار حالات پر ہوا کرتا ہے۔ خاص نکتہ یہ ہے کہ سرمایہ دار اس محنت کے علاوہ جس کی وہ مزدوری ادا کر دیتا ہے، وہ محنت بھی اینٹھ لیتا ہے جس کی اجرت وہ ادا نہیں کرتا۔ اور یہ کوئی صوابدیدی مفروضہ نہیں ہے، کیونکہ اگر سرمایہ دار ایک عرصہ دراز تک مزدور سے صرف اتنی ہی محنت وصول کیا کرتا جتنی کی وہ مزدوری ادا کرتا ہے، تو اُسی دن سے وہ اپنا کارخانہ بند کر چکا ہوتا، کیونکہ اس کا پورا منافع صفر کے برابر ہو جاتا۔

ان تمام تضادات کا حل ہمیں یہاں مل جاتا ہے۔ قدر زائد کا آغاز (سرمایہ دار کا منافع جس کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے) اب قطعی واضح اور شفاف ہو گیا ہے۔ قوت محنت کی قدر کے دام ادا کر دئے جاتے ہیں، لیکن یہ قدر اس سے کہیں کم ہوتی ہے جو کہ سرمایہ دار قوت محن سے نچوڑنے کا بندوبست رکھتا ہے، اور عین وہی فرق یعنی بے اجرت محنت، سرمایہ دار کے، یا زیادہ ٹھیک ٹھیک کہیں تو سرمایہ دار طبقے کے حصے کی تشکیل کرتی ہے۔ کیونکہ مندرجہ بالا مثال میں، کپاس کے سوداگر نے اپنی کپاس پر جو منافع حاصل کیا تھا اس کو بھی بے اجرت محنت پر مشتمل ہونا چاہئے، بشرطیکہ کپاس کی قیمتیں نہ بڑھی ہوں۔ سوداگر نے اس کو کپاس سے چیزیں تیار کرنے والے کے ہاتھ فروخت کیا ہو گا، جو اپنے تیار مال سے ابتدائی 100 ٹیلروں کے علاوہ اپنے لیے منافع نکال سکتا ہے۔ اور اس لیے اس بے اجرت محنت میں حصے دار بنتا ہے جو کہ اس نے اپنی جیب میں رکھ لی ہے۔ عام طور سے دیکھیں تو یہی بے اجرت محنت سماج کے تمام فارغ البال اراکین کو ذرائع بقا مہیا کرتی ہے۔ ریاست اور میونسپلٹی کے جملہ محصولات، جہاں تک کہ وہ سرمایہ دار طبقے پر اثر انداز ہوتے ہیں، مالکان زمین کا لگان وغیرہ، اسی میں سے ادا کئے جاتے ہیں۔ پورا موجودہ سماجی نظام اسی بنیاد کے سہارے قائم ہے۔

یہ تصور کر لینا بے معنی ہوگا کہ بے اجرت محنت صرف موجودہ تعلقات کے تحت ہی پیدا ہوئی ہے، جہاں پیداوار ایک طرف سرمایہ دار اور دوسری طرف اجرتی مزدور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، مظلوم طبقے کو تمام زمانوں میں بے اجرت محنت کرنی پڑی ہے۔ اس پوری طویل مدت میں جبکہ محنت کی تنظیم کی مروجہ شکل غلامی تھی، تو غلاموں کو اس سے کہیں زیادہ محنت کرنی پڑتی تھی جس کا انہیں ذرائع معاش کی شکل میں معاوضہ ملا کرتا تھا۔ یہی صورتِ حال مزارعین کے نظام کے تحت تھی

اور کسانوں کی بیگار کے خاتمے کے زمانے تک چلی آئی تھی۔ یہاں درحقیقت وہ فرق صریح نظر آ جاتا ہے جو کسان خود اپنے گزارے کے لیے کام کرنے میں لگاتا تھا اور جو وہ جاگیردار کے لیے زائد محنت کرنے پر صرف کرتا تھا، عین اس وجہ سے کہ موخرالذکر اول الذکر سے علیحدہ انجام دیا جاتا تھا۔ بُنتر (Form) اب بدل دی گئی ہے لیکن مافیہہ میں فرق نہیں آیا ہے اور جب تک ''سماج کے ایک حصے کے پاس ذرائع پیداوار کی اجارہ داری رہے گی، محنت کرنے والے کو، خواہ وہ آزاد ہو یا نہ ہو، خود اپنی معاش کے لیے ضروری کام کرنے کے وقت میں کام کرنے کے فاضل وقت کا اضافہ کرنا پڑے گا تاکہ ذرائع پیداوار کے مالکوں کی معاش فراہم کر سکے''۔ (سرمایہ، صفحہ 226)

نوٹس:

1۔ لائپزیگ کے ''ڈیما کراٹی شیس وولکس بلاٹ'' شمارہ 12 اور 13 موخہ 21 اور 28 مارچ 1867ء میں شائع ہوا۔ ایڈیٹر

(2)

پچھلے مضمون میں ہم نے دیکھا کہ ہر مزدور جس کو سرمایہ دار ملازم رکھتا ہے، دو طرح سے محنت کرتا ہے: وقتِ محن کے ایک حصے میں وہ اس اجرت کا معاوضہ چکاتا ہے جو اس کو سرمایہ دار دیتا ہے۔ اور محنت کے اس حصے کو مارکس نے اپنی اصطلاح میں محنِ لازم (Necessary Labour) کہا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اسے کام جاری رکھنا پڑتا ہے اور اس وقت میں وہ سرمایہ دار کے لیے قدر زائد پیدا کرتا ہے جس کا خاصا بڑا حصہ منافع کی تشکیل کرتا ہے۔ محنت کے اس حصے کو محنِ زائد (Surplus Labour) کہتے ہیں۔

آیئے ہم فرض کرلیں کہ مزدور ہفتے میں تین دن اپنی اجرت کا معاوضہ پورا کرنے کے لیے کام کرتا ہے اور تین دن سرمایہ دار کے لیے قدر زائد پیدا کرنے کو۔ بہ الفاظ دیگر اس کے معنی یہ ہیں کہ یومِ کار (Working Day) اگر بارہ گھنٹے کا ہو تو وہ چھ گھنٹے روزانہ اپنی اجرت کے لیے اور چھ گھنٹے قدر زائد پیدا کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔ ہفتے میں صرف چھ دن ہی مل سکتے ہیں، اگر اتوار کو بھی ملا لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ سات۔ لیکن کام کرنے کے ہر دن چھ، آٹھ، دس، بارہ، پندرہ اور اس سے زیادہ گھنٹوں تک کی محنت نچوڑی جاسکتی ہے۔ دن بھر کی اجرت کے لیے سرمایہ دار کے ہاتھ مزدور پورا یومِ کار فروخت کرتا ہے۔ لیکن یہ یومِ کار کیا ہے؟ آٹھ گھنٹے یا اٹھارہ؟

سرمایہ دار کا مفاد اس میں ہوتا ہے کہ یومِ کار کو جتنا ممکن ہو لمبا کردے۔ یہ جتنا طویل ہوتا ہے، قدر زائد اتنی ہی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ مزدور بجا طور پر محسوس کرتا ہے کہ محنت کا ہر وہ گھنٹہ جس میں وہ اپنی اُجرت سے سوا کام کرتا ہے اُس سے ناجائز طور پر ہتھیا لیا جاتا ہے۔ خود اس کا بدن محسوس کرتا ہے کہ فاضل گھنٹے کام کرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے منافع کے لیے جدوجہد کرتا ہے جب کہ مزدور اپنی صحت کے لیے کہ کام کرنے، سونے اور کھانا کھانے کے علاوہ چند گھنٹے آرام اور دیگر انسانی مغلیات نبھا سکے۔ بر سبیل تذکرہ یہ بھی واضح کردیا جائے کہ انفرادی طور پر سرمایہ داروں کی بھلمنساہت پر اس بات کا انحصار قطعی نہیں ہوتا کہ آیا وہ اس جدوجہد کو شروع کرنا چاہتے ہیں یا نہیں، کیونکہ مقابلے بازی ان میں سے انتہائی انسان دوستوں تک کو مجبور کردیتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں میں شامل ہوجائیں اور کام کرنے کے وقت کو اتنا زیادہ طویل کریں جتنا

کہ قاعدہ ہو۔ یومِ کار مقرر کرنے کی جدوجہد تاریخ میں آزاد مزدوروں کے پہلی بار نمودار ہونے سے لیکر آج تک ہوتی چلی آئی ہے۔ مختلف پیشوں میں یومِ کار کے اوقات مختلف روایات کے بموجب رائج ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت ان پر شائد ہی کبھی عمل ہوا ہو۔ صرف جہاں قانون کام کرنے کا دن مقرر کرتا ہے اور اس کی تعمیل کی نگرانی کرتا ہے، درحقیقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں یومِ کار کا معمول موجود ہے۔ اور اب تلک انگلستان کے صرف صنعتی علاقوں ہی میں ایسا ہوا ہے۔ یہاں دس گھنٹے کام کرنے کا دن (پانچ دن ساڑھے دس گھنٹے اور ہفتے کے دن ساڑھے سات گھنٹے) تمام عورتوں کے لیے اور تیرہ سے اٹھارہ برس تک کے نوجوانوں کے لیے مقرر ہے۔ اور چونکہ مرد ان کے بغیر کام نہیں کر سکتے اس لیے وہ بھی دس گھنٹے یومِ کار کے قاعدے کے تحت آجاتے ہیں۔ انگریز فیکٹری مزدوروں نے برسوں مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد، فیکٹری مالکوں کے خلاف مستقل مزاجی کے ساتھ سخت جدوجہد کے ذریعے، آزادئ تحریر، حقِ اجتماع و انجمن کے ذریعے اور خود حکمران طبقے کے درمیان نفاق سے دانشمندی کے ساتھ فائدہ اٹھا کر یہ قانون جیتا ہے۔ یہ انگریز مزدوروں کے تحفظ کا وسیلہ بن گیا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کو توسیع دے کر صنعت کی تمام اہم شاخوں میں رائج کر دیا گیا ہے اور پچھلے سال قریب قریب تمام پیشوں میں، کم از کم ان سب میں جن میں عورتوں اور بچوں کو کام پر لگایا جاتا ہے۔ زیرِ تبصرہ تصنیف میں انتہائی مفصل اور جامع مواد انگلستان میں یومِ کار کے ان قواعد و ضوابط کی تاریخ کے بارے میں ہے۔ اگلی ''شمالی جرمن ریشتاگ'' میں بھی فیکٹری کے قواعد و ضوابط، اور اس لیے فیکٹری میں محنت کے قواعد بھی بحث کے لیے پیش ہوں گے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ جرمن مزدوروں کے چنے ہوئے نمائندوں میں سے کوئی بھی مارکس کی کتاب کا خود مکمل مطالعہ کئے بغیر اس مسودہ قانون پر بحث میں حصہ نہیں لے گا۔ وہاں بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جرمنی کے حکمران طبقوں کے اندر جو پھوٹ ہے وہ مزدوروں کے لیے اس سے کہیں زیادہ موافقانہ ہے جو انگلستان میں تھی، کیونکہ عام حق رائے دہی حکمران طبقوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مزدوروں کی حمایت حاصل کریں۔ ان حالات کے تحت پرولتاریہ کے چار یا پانچ نمائندے ایک قوت بن سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ اپنی حیثیت سے کس طرح فائدا ٹھائیں، بشرطیکہ، سب سے اول، ان کو معلوم ہو کہ موضوع بحث مسئلہ کیا ہے، جو کہ بورژوازی کو معلوم نہیں ہے۔ اور مارکس کی کتاب ان کو اس کے لیے ضرورت کا سارا مواد تیار شکل میں فراہم کرتی ہے۔

دوسری نہایت ہی نفیس تحقیقات جو نظریاتی لحاظ سے زیادہ دلچسپ ہیں، ہم یہاں چھوڑے دیتے ہیں اور اب آخری باب پر آ جاتے ہیں جس میں سرمایہ کے اجماع (Accumulation of Capital) پر بحث کی گئی ہے۔اس میں پہلے دکھایا گیا ہے کہ سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار یعنی وہ جس میں یہ بات پہلے ہی سے تسلیم کر لی جاتی ہے کہ ایک طرف سرمایہ دار ہیں اور دوسری طرف اجرتی مزدور، نہ صرف سرمایہ دار کے لیے سرمائے کو مسلسل بڑھت دیتا ہے بلکہ مزدوروں کی مفلسی میں بھی بتدریج اضافہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس بات کی ضمانت رہتی ہے کہ ایک طرف تو نئی طرح سے سرمایہ دار باقی رہتے ہیں جو تمام ذرائع معاش، خام مال اور آلات محنت کے مالک ہوتے ہیں اور دوسری طرف ان مزدوروں کا انبوہ کثیر جو مجبور ہوتے ہیں کہ ذرائع معاش کی اتنی مقدار کے لیے، جو زیادہ سے زیادہ انہیں کام کرنے اور پرولتاریہ کی نئی نسل پیدا کرنے کے قابل رکھے، اپنی قوت محنت ان سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت کرے۔ لیکن سرمایہ نہ صرف اپنی باز پیداوار کرتا ہے بلکہ وہ متواتر بڑھتا اور کئی گنا ہوتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح مزدوروں کے بے مایہ طبقے پر اس کا اقتدار بھی۔ اور جس طرح خود سرمائے کی دن پر دن وسیع پیمانے پر بڑھت ہوتی ہے، اسی طرح جدید سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار بے ملکیت کے مزدوروں کے طبقے کی بھی روز افزوں وسیع تر پیمانے پر اور زیادہ بڑی تعداد میں بڑھاتا رہتا ہے۔''.... سرمائے کا اجماع سرمایہ دارانہ تعلق کی وسیع تر پیمانے پر باز تخلیق کرتا ہے، ایک قطب پر زیادہ سرمایہ دار یا زیادہ بڑے سرمایہ دار اور دوسرے قطب پر زیادہ اجرتی مزدور۔۔۔ اس لیے سرمائے کا اجماع پرولتاریہ کی تعداد بڑھنے کے مترادف ہے۔'' (سرمایہ، صفحہ 576) مگر چونکہ مشینری کی ترقی کے باعث، ترقی یافتہ زراعت وغیرہ کے باعث ایک ہی مقدار میں اشیا تیار کرنے کے لیے تعداد میں کم سے کم تر مزدور چاہیے ہوتے ہیں، چونکہ یہ تکمیل یعنی مزدوروں کو فاضل کر دینے کا یہ عمل خود سرمائے کی بہ نسبت زیادہ تیز رفتاری سے بڑھتا ہے، تو پھر مزدوروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا کیا ہوتا ہے؟ وہ ایک صنعتی محفوظ فوج کی تشکیل کرتے ہیں، جس کو خراب یا معمولی کاروبار کے زمانے میں، اس کی محنت کی قدر سے کم اجرت دی جاتی ہے اور جو بے قاعدگی سے برسر روزگار ہوتی ہے، یا قانون غربا کے عام اداروں کی نگرانی میں آ جاتی ہے لیکن جو اس زمانے میں سرمایہ دار طبقے کے لیے ناگزیر ہوتی ہے جبکہ کاروبار میں خاص طور سے زیادہ تیزی آ گئی ہو۔ جیسا کہ انگلستان میں نہایت صاف طور پر

واضح ہے اور جو تمام حالات میں باقاعدہ برسرروزگار مزدوروں کی قوت مدافعت کو توڑنے اور ان کی اجرتیں گھٹائے رکھنے کا کام دیتی ہے۔ ''سماجی دولت جتنی زیادہ ہوتی ہے۔۔۔ متعلقاتی (Relative) فاضل آبادی یا صنعتی محفوظ فوج بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔۔۔ لیکن عامل (باقاعدہ برسرروزگار) فوجِ محن کے مقابلے میں یہ محفوظ فوج جتنی زیادہ بڑی ہوتی ہے مجموعی مستقل فاضل آبادی (اس زمرے کے مزدوروں) کا انبوہ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے جن کی مصیبت کربِ محنت کی معکوس نسبت میں ہوا کرتی ہے۔ آخر میں یہ کہ مزدور طبقے میں محتاجوں کی پرتیں اور صنعتی محفوظ فوج جتنی وسیع ہوگی، سرکاری مفلسی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ یہ سرمایہ دارانہ اجماع کا عام اور مطلق قانون ہے۔'' (سرمایہ، صفحہ 603) یہ، عین علمی اعتبار سے ثابت شدہ جدید سرمایہ دارانہ سماجی نظام کے بعض بنیادی قوانین ہیں اور سرکاری ماہرین معاشیات ان کی تردید کرنے کی کوشش تک نہیں کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ کیا بات پوری ہوگئی؟ ہرگز نہیں۔ سرمایہ دارانہ پیداوار کے خراب پہلوؤں پر جس تیکھے انداز میں مارکس نے زور دیا ہے، اسی طرح وضاحت کے ساتھ انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ معاشرتی بُنتر سماج کی پیداواری قوتوں کو اس بلند سطح تک نشوونما دینے کے لیے ضروری تھی جس سے سماج کے تمام اراکین کے لیے مساوی نشوونما ممکن ہو جائے جو نوعِ انسانی کے شایانِ شان ہو۔ سماج کی اس سے پہلے کی تمام بُنتریں اس کام کے لیے حد سے زیادہ کم مایہ تھیں۔ سرمایہ دارانہ پیداوار نے پہلی بار وہ دولت اور پیداواری قوتیں تخلیق کی ہیں جو اس کے لیے ضروری ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے مظلوم مزدوروں کا ایک انبوہ بھی پیدا کیا ہے، وہ سماجی طبقہ جو روز افزوں مجبور ہوتا رہتا ہے کہ اس دولت کو اور ان پیداواری قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور ان کو، آج کی طرح صرف اجارہ دار طبقے کے بجائے، سارے سماج کے فائدے کے لیے استعمال کرے۔

کارل مارکس، ''داس کیپٹل''

کری ٹیک ڈر پولیٹیشن اوئی کونامی

(بانڈ 1: ڈر پروڈکشن پروزیس داس کیپٹلس)

ہمبرگ، اوٹو مائیس نر، 1867ء(1)

عام حق رائے دہی نے پہلے سے موجود پارلیمانی پارٹیوں میں ایک نئی پارٹی، سوشل ڈیموکریٹک کا اضافہ کر دیا ہے۔ شمالی جرمن ریشتاگ کے پچھلے انتخابات میں اس نے بیشتر بڑے شہروں میں، فیکٹریوں کے تمام علاقوں میں خود اپنے امیدوار نامزد کئے اور اس کے چھ یا آٹھ نمائندے کامیاب ہو گئے۔ پچھلے سے پہلے چناؤ کی بہ نسبت اس نے اپنی تعداد میں خاصا بڑا اضافہ کر لیا ہے اور اس لیے یہ فرض کر لینا ممکن ہے کہ، کم از کم فی الحال، وہ اب بھی بڑھ رہی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عام حق رائے دہی نے آخری فیصلہ سب سے زیادہ کثیر تعداد اور سب سے زیادہ غریب طبقے کے سپرد کر دیا ہے، ایسی پارٹی کے وجود، سرگرمی اور فلسفے کو گہری خاموشی کے ساتھ نظر انداز کرتے رہنے کی خواہش رکھنا حماقت ہوگی۔

چند سوشل ڈیموکریٹک نمائندے آپس میں خواہ کتنے ہی بٹے ہوئے اور بے ٹھکانے کیوں نہ ہوں مگر یہ بات یقینی طور پر فرض کی جا سکتی ہے کہ اس پارٹی کے تمام گروہ موجودہ کتاب کا خیر مقدم اپنی نظریاتی انجیل کی حیثیت سے، ایک ایسے اسلحہ خانے کی حیثیت سے کریں گے جہاں سے وہ اپنی سب سے زیادہ ٹھوس دلیلیں فراہم کیا کریں گے۔ صرف ان بنیادوں پر ہی یہ کتاب خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ مگر اس میں جو مسالہ موجود ہے وہ بطور خود بھی باعثِ دلچسپی ہوگا۔ حالانکہ لاسال کی خاص دلیل، اور سیاسی معاشیات میں لاسال مارکس کے محض مقلد تھے، ریکارڈو کے نام نہاد اجرتوں کے قانون کو متواتر دہراتے رہنے تک محدود ہے، ہمارے سامنے اب ایک ایسی تصنیف آ گئی ہے جو سرمائے اور محنت کے درمیان تمام تعلقات کو پورے معاشیاتی علم کے تعلق سے ناقابل انکار نایاب اکملیت کے ساتھ پیش کرتی ہے، اور جس نے اپنا حتمی مقصد یہ رکھا ہے کہ ''جدید سماج

کی حرکت کا معاشی قانون واضح کیا جائے'' اور اس طرح موضوع کے متعلق بے خطا علم کے ساتھ انجام دی ہوئی پر خلوص تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ ''پورا سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار'' مٹا دینا چاہئے۔ مگر ہم اس حقیقت کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہیں گے کہ اخذ کردہ نتائج کے علاوہ، مصنف نے اپنی تصنیف میں متعدد بنیادی معاشیاتی نکات پر قطعی نئے انداز میں روشنی ڈالی ہے اور قطعی سائنٹیفک مسائل پر وہ نتائج اخذ کئے ہیں جو ہم عصر سیاسی معاشیات سے بہت زیادہ مختلف ہیں اور جن پر قدامت پرست معاشیات دانوں کو، اگر وہ اب تک جس فلسفے پر یقین کرتے آئے ہیں اس کو پارہ پارہ ہوتے دیکھنا نہیں چاہتے تو، ان کی سنجیدگی کے ساتھ تنقید اور سائنٹیفک طریقے سے تردید کرنی ہوگی۔ علم کے مفاد میں ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاسی معاشیات کے اِن خاص نکات پر بالکل نئے زاویوں سے روشنی ڈالی جائے۔ علم کے مفاد میں اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ عین ان نکات پر ہی خصوصی رسالوں میں جلد ایک مناظرہ شروع ہو جائے۔

مارکس نے شے اور روپے کے درمیان تعلق کی تشریح سے آغاز کیا ہے، جس کی بنیادی بحث کچھ عرصہ ہوا ایک خاص تصنیف میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سرمائے کو زیر بحث لے آتے ہیں اور یہاں ہمارا سابقہ پوری تصنیف کے مرکزی نقطے سے پڑتا ہے۔ سرمایہ کیا ہے؟ _ روپیہ جس کو شے میں اس لیے تبدیل کیا جاتا ہے کہ اس کو شے سے پھر روپے میں تبدیل کر لیا جائے جو کہ ابتدائی رقم سے زیادہ ہو۔ جب میں 100 ٹیلر (اس دور کی کرنسی؛ مترجم) کی کپاس خریدتا اور اس کو 110 ٹیلر میں فروخت کر دیتا ہوں تو میں اپنے 100 ٹیلر کو سرمائے کی حیثیت سے برقرار رکھتا ہوں، یہ سرمائے کی خود میں بڑھت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے: مجھے جو 10 ٹیلر کا اس عمل میں نفع ہوا وہ کہاں سے آئے؟ یہ کیسے ہوتا ہے کہ دو سادہ سے تبادلوں کے نتیجے میں 100 ٹیلر 110 بن جاتے ہیں۔ سیاسی معاشیات نے یہ بات پہلے ہی فرض کر لی ہے کہ تمام تبادلوں میں برابر کی قدریں تبدیل کی جاتی ہیں۔ مارکس اب تمام امکانی صورتوں پر غور کرتا ہے (اشیائے تجارت کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ وغیرہ) تاکہ یہ بات ثابت کرے کہ سیاسی معاشیات کی اختیار کی گئی پیش قیاسیوں کے تحت، ابتدائی 100 ٹیلرز سے 10 ٹیلر کی قدر زائد کا پیدا ہونا کس طرح ناممکن ہے۔ پھر بھی یہ عمل روزانہ ہوا کرتا ہے اور معاشیات کے ماہروں نے ابھی تک اس کی وضاحت ہمارے سامنے نہیں کی ہے۔ مارکس نے مندرجہ ذیل وضاحت پیش کی ہے: یہ معمہ صرف

اسی صورت سے حل کیا جاسکتا ہے جب کہ ہمیں منڈی میں قطعی خاص نوعیت کی شے ملے، یعنی ایسی شے جس کی قدر افادہ قدر تبادلہ پیدا کرنے پر مشتمل ہو۔ یہ شے موجود ہے۔۔۔ یہ قوتِ محن (Labour Power) ہے۔ سرمایہ دار منڈی میں قوتِ محن خرید لیتا ہے اور اس کو اپنے لیے کام پر مامور کر دیتا ہے تا کہ قوت محن کی پیداوار کو فروخت کر سکے۔ چنانچہ ہمیں سب سے پہلے قوت محن کی تحقیق کرنی چاہئے۔

قوت محن کی قدر کیا ہے؟ اس قانون کے بموجب جس کا عام طور پر سب کو علم ہے، یہ روزی کے ان ذرائع کی قدر ہوتی ہے جو مزدور کو زندہ رکھنے اور اس کی افزائش نسل کے لیے اس طریقے سے ضروری ہوتی ہے جو کہ کسی خاص ملک اور خاص تاریخی دور کے مطابق مقرر ہوتے ہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مزدور کو اس کی قوت محن کی پوری قدر ادا کر دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ یہ قدر روزانہ چھ گھنٹوں کے کام سے یا یومِ کار کے نصف سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر سرمایہ دار دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے قوتِ محن پورے دن کے لیے خریدی ہے اور وہ مزدور سے بارہ گھنٹے یا اس سے زیادہ کام کراتا ہے۔ کام کرنے کے بارہ گھنٹے کے دن سے اس طرح وہ چھ گھنٹے کے کام کی پیداوار اجرت دیئے بغیر حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے مارکس یہ نتیجہ نکالتے ہیں: تمام قدر زائد خواہ اس کی تقسیم سرمایہ دار کے منافع، زمین کے لگان یا ٹیکسوں وغیرہ کی حیثیت سے ہو بے اجرت محنت ہوتی ہے۔

کارخانہ دار کے مفاد یہ کہ روزانہ جتنی زیادہ ممکن ہو سکے بے اجرت محنت اینٹھ لینے اور اس سے برعکس مزدور کے مفاد کے درمیان یومِ کار کی طوالت کے لئے کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ ایک مثال میں جو پڑھنے کے قابل ہے اور جو کوئی ایک سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، مارکس نے انگریزی بڑی صنعت میں اس جدوجہد کی ابتدا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس جدوجہد کا انجام، آزاد تجارت کے حامی کارخانہ داروں کے احتجاج کے باوجود، گزشتہ موسمِ بہار میں نہ صرف کارخانوں میں بلکہ تمام چھوٹے چھوٹے کاروباروں میں، یہاں تک کہ گھریلو صنعت میں بھی فیکٹری قانون کی پابندیاں عائد ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے مطابق عورتوں اور اٹھارہ برس سے کم عمر کے بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ کام کے اوقات۔ اور اس طرح بالواسطہ مردوں کے لیے بھی_ صنعت کی اہم ترین شاخوں میں ساڑے دس گھنٹے مقرر ہو گئے۔ اس کے ساتھ انہوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ

اس فیصلے سے انگریزی صنعت کو نقصان کیوں نہیں پہنچا، بلکہ اس کے برعکس اس سے اس کو بڑا فائدہ ہوا کیونکہ یومِ کار کے گھنٹوں میں کمی کے مقابلے میں ہر فرد کے کام کی شدت میں اضافہ کر دیا گیا۔

قدرِ زائد کی تحصیل کا اِس کے علاوہ بھی ایک طریقہ موجود ہے کہ یومِ کار کو ذرائع بقایا اِن کی قدر کے لئے درکار لازمی عرصۂ محن سے لمبا کھینچ لیا جائے۔ ہمارے سابقہ مفروضے کی رو سے ہم نے ایک یومِ کار کو 12 گھنٹے فرض کیا تھا جس میں پہلے چھ گھنٹے لازمی عرصۂ محن تھا جب کہ اگلے چھ گھنٹے قدرِ زائد کی پیداوار کے لئے فرض کیے گئے تھے۔ اگر کوئی ذریعہ ایسا مل جائے کہ لازمی عرصۂ محن گھٹ کر پانچ گھنٹے رہ جائے تو سات گھنٹے باقی رہیں گے جن میں قدر زائد پیدا ہوا کرے گی۔ یہ مقصد معاش کے ضروری وسائل پیدا کرنے کے لیے مطلوبہ کام کے وقت میں کمی کر کے، باالفاظ دیگر معاش کے وسائل سستے کر کے، اور ایسا صرف پیداوار کو ترقی دے کر ہی ممکن ہے۔ اس نکتے پر بھی مارکس نے ان تین خاص بیروں کی وضاحت اور تحقیق کر کے ایک تفصیلی مثال پیش کی ہے جن کے ذریعے یہ اصلاحیں بروئے عمل لائی جاتی ہیں: (1) عملِ باہم، یا قوت میں کئی گنا اضافہ جو متعدد مزدوروں کے بیک وقت اور باقاعدہ مشترکہ کام کا نتیجہ ہوتا ہے؛ (2) تقسیم محنت، جیسی کہ اس نے کارخانہ داری (2) کے دور میں تشکیل پائی تھی جو مال تیار کرنے کا اصل دور تھا (یعنی کوئی 1770ء تک)؛ آخر میں (3) مشینری، جس کی مدد سے جدید صنعت نے اس وقت سے نشو ونما حاصل کی ہے۔ یہ مثالیں بھی بڑی دلچسپ ہیں اور اس موضوع پر تکنیکی تفصیلات تک حیرت انگیز معلومات ظاہر کرتے ہیں۔

قدر زائد اور اجرتوں کی مزید تفصیلات کی تحقیق میں ہم نہیں پڑ سکتے؛ غلط فہمیوں سے بچنے کے لیے ہم محض اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مارکس نے متعدد اقتباسات کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ کٹر علم معاشیات اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ اجرتیں کام کی پوری پیداوار کی نسبت کم ہوتی ہیں۔ امید کرنی چاہئے کہ یہ کتاب کٹر علم معاشیات کے حامی حضرات کو اس بات کا موقع دے گی کہ اس واقعی حیرت انگیز نکتے کی زیادہ تفصیلی وضاحت پیش کریں۔ شاندار نکتہ یہ ہے کہ حقائق پر مبنی تمام مثالیں جنہیں مارکس نے پیش کیا ہے، بہترین ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں، جو کہ اکثر پارلیمانی روئدادوں سے ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہم اس مشورے کی، جو بالواسطہ پیش لفظ میں مصنف نے دیا ہے، تائید کرتے ہیں کہ جرمنی میں بھی مختلف صنعتوں کے مزدوروں کی حالت

کی مکمل تحقیقات حکومت کے عہدیدار کریں۔جنہیں مگر متعصب نوکر شاہوں میں سے نہیں ہونا چاہئے۔اور یہ کہ روئدادیں ریشناگ اور عوام کے سامنے پیش کی جائیں۔

پہلی جلد سرمائے کے اجماع کے مطالعے پر ختم ہو جاتی ہے۔اس نکتے پر بہت کچھ کہا جا چکا ہے،لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس پر بھی زیادہ تر جو کچھ یہاں کہا گیا ہے وہ نیا ہے اور پرانی تجسیم پر نئے پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔سب سے بنیادی ثبوت یہ فراہم کرنے کی کوشش ہے کہ سرمائے کے ارتکاز اور اجماع کے پہلو بہ پہلو اور اس کے ہم قدم فاضل محنت کش آبادی کا اجتماع بھی جاری ہے،اور یہ کہ دونوں مل کر انجام کار سماجی صورت تہہ و بالا کر دینا ایک طرف تو لازم کر دیں گے اور دوسری طرف ممکن۔

مصنف کے سوشلسٹ نظریات کے بارے میں قاری کی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، ہمارا خیال ہے کہ ہم نے اس کو یہ دکھا دیا ہے کہ یہاں اس کے روبرو ایک ایسی تصنیف ہے کہ جو روزمرہ کی سوشل ڈیموکریٹک مطبوعات سے خاصی بلند و بالا ہے۔اس میں ہم یہ اور شامل کریں گے کہ پہلے 40 صفحات پر گہری جدلیاتی باتوں کے علاوہ، یہ کتاب اپنی تمام تر علمی شدت کے باوجود سمجھنے میں بہت آسان ہے اور مصنف کے طنز آمیز انداز بیاں کے باعث، جو کسی کو نہیں بخشتا، یہ دلچسپ اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

نوٹس:

(1) اکتوبر 1867ء میں ''رہائنی شے زائٹونگ'' کے لیے لکھا۔غیر مطبوعہ رہ گیا۔ایڈیٹر

(2) بڑی بڑی فیکٹریوں اور جدید کارخانوں جیسی مشینی صنعت مراد نہیں۔اس کا مطلب صنعتی پیداوار کے ارتقاء میں وہ درمیانی نظام ہے جو دستکاری کے بعد اور بڑے پیمانے کی مشینی صنعت سے پہلے یعنی تقریباً سولہویں صدی کے وسط سے اٹھارویں صدی کے آخری زمانہ تک یورپ میں قائم تھا۔اس نظام میں بہت سے دستکار درمیانی حیثیت کے کسی کارخانہ دار کی دکان یا ''کارخانہ'' میں جمع ہو کر کام کرتے۔ایک کام کو مختلف حصوں میں بانٹ کر ہر حصہ ایک دستکار کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔کارخانہ داری کا اصل فائدہ اسی تقسیم محنت میں ہے۔ایڈیٹر

سرمائے کے بارے میں کارل مارکس کے خیالات (1)

کرنسی کے متعلق اپنی تحقیقات میں مسٹر تھامس ٹوک نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ سرمائے کی حیثیت سے اپنے وظائف پورے کرتے ہوئے روپیہ اپنے نقطہ اجراء کی جانب پلٹ جایا کرتا ہے، لیکن اُس وقت یہ صورت پیدا نہیں ہوتی جب روپیہ محض کرنسی کے وظائف انجام دیتا ہے۔ اس امتیاز کو (جو مدت ہوئی سر جیمس اسٹوارٹ نے مسلمہ قرار دیا تھا) مسٹر ٹوک ''ارباب سکہ'' اور ان کے ان دعووں کے خلاف اپنی دلیل میں محض ایک کڑی کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں، کہ اشیاء کی قیمتوں پر کاغذی روپے کے اجراء سے اثر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے مصنف نے اس امتیاز کو خود سرمائے کی نوعیت کی تفتیش کرنے میں اپنا نقطہ آغاز بنایا ہے، اور خصوصاً اس سوال کی تفتیش میں کہ روپیہ جو کہ قدر کے وجود کی آزاد بُنتر ہے، سرمائے میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے؟

ٹرگوٹ کہتا ہے کہ ہر قسم کے تاجر میں یہ چلن مشترک ہے کہ وہ فروخت کرنے کے لیے خریدتے ہیں؛ ان کی خریداریاں وہ پیشگی ہوتی ہے جو کہ بعد میں ان کو لوٹا دی جاتی ہے۔

فروخت کرنے کے لیے خریدنا، یہ عمل واقعی ایسا ہوتا ہے جس میں روپیہ سرمائے کے فرائض انجام دیتا ہے اور جو اس کے اپنے نقطہ اجراء کی جانب واپسی کو یقینی بناتا ہے؛ اس کے مقابلے میں خریدنے کے لیے فروخت کرنے میں یہ ممکن ہے کہ روپیہ صرف کرنسی کی حیثیت سے ہی اپنے وظائف پورے کرے۔ چنانچہ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ فروخت اور خرید کے عوامل کی مختلف ترتیب روپے پر گردش کی دو مختلف شکلیں ثبت کر دیتی ہے۔ ان دو عوامل کی وضاحت کرنے کی غرض سے ہمارے مصنف نے مندرجہ ذیل دو فارمولے پیش کئے ہیں:

خریدنے کے لیے فروخت کرنا: ایک شے C کا روپے M سے تبادلہ کیا جاتا ہے جو کہ پھر ایک اور شے C سے بدل لی جاتی ہے؛ یا C-M-C

فروخت کرنے کے لیے خریدنا: روپے کو شے کیا جاتا ہے اور اس کو دوبارہ روپے سے تبدیل کر لیتے ہیں: M-C-M

کلیہ C-M-C اشیاء کی سادہ گردش کو ظاہر کرتا ہے جس میں روپیہ گردش کے ایک وسیلے کا کام دیتا ہے، کرنسی کا۔ اس فارمولے کا تجزیہ ہماری کتاب کے پہلے باب میں کیا گیا ہے جس میں

قدر اور روپے کا ایک نیا اور نہایت سادہ سا نظریہ پیش کیا گیا ہے، علمی اعتبار سے نہایت دلچسپ لیکن جسے ہم یہاں زیر بحث نہیں لا رہے کیونکہ بحیثیت مجموعی اس کے مقابلے میں کم اہم ہے جسے ہم سرمائے پر جناب مارکس کے نظریات کے زوردار نکات تصور کرتے ہیں۔

دوسری طرف کلیہ M-C-M گردش کی اُس ہُنتر کو ظاہر کرتا ہے جس میں روپیہ اپنے آپ کو سرمائے میں تبدیل کر لیتا ہے۔

فروخت کرنے کے لیے خریدنے کے عمل: M-C-M کو بلاشبہ M-M میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ روپے کے بدلے روپے کا بالواسطہ تبادلہ ہے۔ فرض کیجئے میں 1000 پاؤنڈ کی کپاس خریدتا ہوں اور اس کو 1100 پاؤنڈ میں فروخت کر دیتا ہوں تو بالآخر میں نے 1000 پاؤنڈ 1100 پاؤنڈ سے بدل لیے، روپے کے بدلے روپیہ۔

اب اگر اس عمل سے کہیں ایسا ہوتا کہ مجھے اتنا ہی زر نقد ملتا جتنا کہ میں نے پیشگی دیا تھا، تو بات بے معنی ہوتی۔ لیکن اگر اس سوداگر کو جس نے 1000 پاؤنڈ پیشگی خرچ کئے تھے 1100 پاؤنڈ وصول ہوتے ہیں یا 1000 پاؤنڈ یا یہاں تک کے صرف 900 پاؤنڈ تو اس کا روپیہ وہ دور پورا کرتا ہے جو C-M-C کے کلیے کے دور سے اپنی نوعیت میں مختلف ہوتا ہے؛ کہ جس فارمولے کے معنی خریدنے کے لیے فروخت کرنے کے ہوتے ہیں، وہ چیز فروخت کرنا جس کی تم کو ضرورت نہیں تا کہ تم وہ خرید سکو جس کی تم کو قطعی ضرورت ہے۔ آیئے ہم دونوں کلیوں کا موازنہ کریں۔

ہر عمل دو ادوار یا حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ حصے دونوں کلیوں میں ایک دوسرے سے مشابہہ ہیں۔ لیکن عملی طور پر دونوں میں بڑا فرق ہے C-M-C میں روپیہ محض بچولیا ہوتا ہے؛ اس میں شے یعنی قدر افادہ، آغاز اور انجام کے نکتوں کی تشکیل کرتی ہے۔ M-C-M میں شے درمیانی کڑی کا کام دیتی ہے جب کہ زر نقد آغاز اور انجام ہوتا ہے۔ C-M-C میں روپیہ ہمیشہ کے لیے صرف ہو جاتا ہے؛ M-C-M میں یہ صرف اس مقصد کے لئے خرچ کیا جاتا ہے کہ اس کو پھر وصول کیا جائے؛ وہ اپنے نقطہ اجراء پر واپس آ جاتا ہے اور یہیں سے روپیہ بطور گردش کا وسیلہ اور روپیہ بطور سرمایہ کا بنیادی فرق شروع ہوتا ہے۔

خریدنے کے لیے فروخت کرنے کے عمل میں، C-M-C، روپیہ صرف اس صورت میں اپنے نکتۂ آغاز پر پلٹ سکتا ہے کہ تمام عمل از سرِ نو دوہرایا جائے، یعنی شے کی ایک نئی مقدار کو بیچا

جائے۔اس لیے واپسی خود عمل سے بے نیاز ہوتی ہے۔لیکن M-C-M کے عمل میں واپسی ایک ضرورت اور شروع ہی سے ایک ارادی چیز ہوتی ہے؛ اگر یہ رونما نہیں ہوتی تو کہیں کسی رکاوٹ کا ہونا لازمی ہے اور عمل نامکمل رہتا ہے۔

خریدنے کے لیے فروخت کرنے کا مقصد قدر استعمال حاصل کرنا ہوتا ہے؛ اور فروخت کرنے لیے خریدنے کا مقصد قدر تبادلہ حاصل کرنا۔

C-M-C کے کلیے میں دونوں انتہائیں، معاشیاتی اعتبار سے، ایک جیسی ہوتی ہیں۔ دونوں اشیاء ہیں؛ علاوہ ازیں دونوں کی مقداری قدر ایک سی ہوتی ہے، کیونکہ پورے نظریہ قدر میں یہ بات مضمر ہے کہ عموماً مساوی قدروں ہی کا باہم مبادلہ ممکن ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ دونوں انتہائیں C-C دو استعمال کی قدریں ہیں جو معیاری طور پر مختلف ہوتی ہیں جبھی اِن کا تبادلہ ہوتا ہے۔M-C-M میں، پورا عمل بظاہر بے معنی معلوم ہوتا ہے۔100 پاونڈ کو 100 پاؤنڈ سے تبدیل کرنا اور وہ بھی گھما پھرا کر، بے وقوفی لگتا ہے۔روپے کی ایک رقم کسی دوسری رقم سے صرف مقدار کے اعتبار سے ہی مختلف ہوسکتی ہے۔اس لیے M-C-M صرف اس صورت میں بامعنی ہوگا جب کہ آغاز سے انجام تک مقداری فرق آئے۔گردش سے جو روپیہ واپس لیا جائے وہ اس میں ڈالی جانے والی رقم سے لازماً زیادہ ہونا چاہئے۔ جو کپاس 1000 پاؤنڈ کی خریدی گئی تھی وہ 1100 پاؤنڈ میں یعنی 1000 پاؤنڈ + 100 پاؤنڈ میں فروخت کی جاتی ہے۔پس اس عمل کو ظاہر کرنے والا کلیہ بدل کر M-C-M' ہوجاتا ہے جس میں M'=M+M، یعنی روپیہ + اضافی روپیہ۔اس اضافے کو جناب مارکس نے قدرِ زائد (2) کا نام دیا ہے۔جو قدر ابتدا میں پیشگی مہیا کی گئی تھی وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو برقرار رکھتی ہے بلکہ اپنے اندر اضافہ بھی کر لیتی ہے، یہ قدر کو پیدا کرتی ہے اور یہی عمل روپے کو سرمائے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

گردش کے C-M-C کلیے میں بھی ممکن ہے کہ انتہائیں قدر کی بابت مختلف ہوجائیں لیکن ایسی صورت حال یہاں قطعاً غیر اہم ہوگی؛ یہ کلیہ اس صورت میں بے معنی نہیں ہوجاتا جب اس کی دونوں انتہائیں مساوی القدر ہیں۔اس کے برعکس اس کے حسب معمول کردار کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ ایسی ہوں۔

C-M-C کا تکرار ان حالات سے مشروط ہوجاتا ہے جو خود تبادلے کے عمل سے غیر متعلق

ہیں: صرفہ کی ضروریات سے۔ لیکن M-C-M میں آغاز اور انجام معیاری اعتبار سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور اس حقیقت کے باعث ہی یہ حرکت دائمی ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ M+M مقدار کے لحاظ سے M سے مختلف ہے۔ لیکن پھر بھی یہ روپے کی ایک محدود مقدار ہے۔ اس کو اگر آپ صرف کر دیں تو اس کی حیثیت سرمائے کی نہ رہے گی؛ اگر آپ اس کو گردش میں سے واپس لے لیں تو یہ ساکت ذخیرہ بن جائے گا۔ قدر سے قدر پیدا کرنے کے عمل کے لیے ترغیب ایک مرتبہ تسلیم کر لیں تو یہ 'M کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہو گی جتنی کہ M کے لیے تھی؛ سرمائے کی حرکت دائمی اور لامتناہی ہو جاتی ہے کیونکہ ہر علیحدہ سودے کے اختتام پر اس کا انجام پہلے کی طرح اب بھی اس سے زیادہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لامتناہی عمل کے جاری رہنے سے روپے کا مالک سرمایہ دار میں بدل جاتا ہے۔

بظاہر M-C-M کلیے کا اطلاق صرف سوداگروں کے سرمائے پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن مال تیار کرنے والوں کا سرمایہ بھی زر نقد ہوتا ہے جو اشیاء سے بدلا جاتا ہے، پھر زیادہ روپے سے دوبارہ بدل لیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں خرید اور فروخت کے درمیان متعدد عوامل دخل انداز ہوتے ہیں، ایسے عوامل جو کہ محض گردش کے میدان عمل سے باہر انجام دئے جاتے ہیں، لیکن ان سے عمل کی نوعیت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اسی عمل کو ہم انتہائی مختصر شکل میں اس سرمائے میں دیکھتے ہیں جو سود پر ادھار دیا جاتا ہے۔ یہاں کلیہ مختصر ہو کر M-M' رہ جاتا ہے، قدر جیوں کہنا چاہیے کہ خود اپنے آپ سے زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن M میں یہ اضافہ، یہ قدر زائد پیدا کہاں سے ہوتی ہے؟ اشیائے تجارت، قدر، زر نقد اور خود گردش کے بارے میں ہماری سابقہ تحقیقات میں اس کو نہ صرف بغیر وضاحت چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ ایسی گردش کی ہر شکل کو خارج از بحث بھی کر دیا ہے جس کے نتیجے میں قدر زائد جیسی کوئی چیز نمودار ہوتی ہو۔ اشیاء کی گردش C-M-C اور سرمائے کی حیثیت سے روپے کی گردش M-C-M کے درمیان سارا فرق سادگی کے ساتھ عمل کے پلٹ جانے کا ہے؛ لیکن اس پلٹاؤ میں یہ صلاحیت کہاں سے آ گئی کہ اس قدر عجیب و غریب نتیجہ پیدا کر دے؟

علاوہ ازیں، اس عمل کے تین فریقوں میں سے صرف ایک کے لیے اس پلٹاؤ کا وجود ہوتا ہے۔ میں، سرمایہ دار کی حیثیت سے A سے کوئی شے خریدتا ہوں اور B کے ہاتھ اس کو پھر سے

فروخت کر دیتا ہوں۔A اور B اشیائے تجارت کے محض فروخت کرنے والے اور خریدنے والے لگتے ہیں۔ میں خود A سے خریدتے وقت محض روپے کے مالک کی حیثیت رکھتا ہوں اور B کو فروخت کرتے وقت جنس تجارت کے مالک کی۔ لیکن ان میں سے کسی بھی عمل میں سرمایہ دار نہیں لگتا، کسی ایسی چیز کا نمائندہ جو روپے یا شے دونوں میں سے کسی سے زیادہ ہو۔ A کے لیے سودے کی ابتدا فروخت سے ہوئی، B کے لیے اس کا آغاز خرید سے ہوا۔ اگر میرے نقطہ نظر سے C-M-C کا کلیہ پلٹ گیا ہے تو ان کے نقطہ نظر سے ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی رکاوٹ ایسی نہیں ہے جو الف کو اپنی جنس تجارت ب کے ہاتھ میری مداخلت کے بغیر فروخت کرنے سے باز رکھے، اور پھر کسی قدر زائد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

فرض کیجئے کہ A اور B اپنی اپنی ضرورت کی چیزیں ایک دوسرے سے براہِ راست خریدتے ہیں۔ جہاں تک افادہ قدروں کا تعلق ہے، ممکن ہے دونوں ہی نفع میں رہیں۔ A ممکن ہے کہ اپنی مخصوص جنس تجارت B کے مقابلے میں ایک ہی مدت میں زیادہ پیدا کر سکے یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اس صورت میں دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن تبادلے میں قدر کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ موخرالذکر صورت میں قدر کی مساوی مقداروں کا تبادلہ کیا جاتا ہے خواہ روپیہ وسیلے کی حیثیت سے کام آئے یا نہ آئے۔

مجرد انداز میں غور کریں، مطلب یہ کہ ان تمام صورت حالات کو ترک کر کے جو اشیاء کی سادہ گردش کے بنیادی قوانین سے اخذ نہ کئے گئے ہوں، اس سادہ گردش میں، اس حقیقت سے درکنار کہ ایک مفید قدر کا دوسری مفید قدر سے مبادلہ ہو رہا ہے، فی الاصل شے کی بُنتر بدل رہی ہے۔ تبادلے کی اتنی ہی قدر، کسی ایک شے میں مجتمع سماجی محنت کی وہی مقدار، شے کے مالک کے ہاتھ میں رہتی ہے خواہ وہ خود شے کی شکل میں ہو یا اس روپے کی شکل میں جس کے عوض اس کو فرخت کیا گیا یا اس دوسری شے کی شکل میں جو کہ اس روپے سے خریدی گئی۔ بُنتر کی یہ تبدیلی قدر کی مقدار میں کسی تبدیلی کا باعث نہیں ہوتی ویسے ہی جیسے پانچ پاؤنڈ کے نوٹ کے بدلے ایک ایک پاؤنڈ کے پانچ سکے لینے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس حد تک قدر تبادلہ کی محض بُنتر میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اس حد تک تبادلہ لازماً مساوی الاقدار کا ہوا کرتا ہے، کم از کم جب کبھی عمل اپنی ذات محض میں ہو اور معمول کے مطابق حالات کے تحت ہو۔ اشیاء اپنی قدروں سے کم یا زیادہ پر بھی فروخت ہو

سکتی ہیں،لیکن ایسی صورت میں اشیاء کے مبادلے کے قانون کی ہمیشہ خلاف ورزی ہوا کرتی ہے۔اسی لیے اپنی خالص اور معمول کی بُنتر میں اشیاء کا تبادلہ قدر زائد کی تخلیق کا وسیلہ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ ان تمام ماہرین معاشیات سے غلطی سرزد ہوتی ہے جو، جیسے کہ کونڈیلیک ،اشیاء کے تبادلے سے قدر زائد اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چلیں ہم یہی فرض کر لیتے ہیں کہ عمل حسب معمول حالات میں نہیں ہوتا اور یہ کہ تبادلہ غیر مساویوں کا ہوتا ہے۔فرض کیجئے کہ ہر مال بیچنے والا اپنی شے اس کی قدر سے 10 فیصدی زیادہ پر فروخت کرتا ہے۔اگر تمام متعلقہ حالات غیر تبدیل شدہ رہیں تو ہر شخص فروخت کرنے والے کی حیثیت سے جو حاصل کرتا ہے وہ خریدنے والے کی حیثیت سے کھو دیتا ہے۔یہ بالکل ویسا ہی ہوگا جیسے کہ زر نقد کی قدر 10 فیصدی گھٹ گئی ہو۔اگر خریدنے والے مال کو اس کی قدر سے 10 فیصدی کم پر خریدیں تو،اسی تاثر کے ساتھ،اس کے برعکس ہوگا۔یہ فرض کر کے کہ اشیاء کا ہر مالک پیداوار کنندہ کی حیثیت سے قدر سے زیادہ پر فروخت کرے اور صارف کی حیثیت سے انہیں ان کی قدر سے زیادہ پر خریدے،ہم مسئلے کے حل کے ایک انچ بھی نزدیک نہیں پہنچتے۔

اس مغالطے کے مستقل مزاج نمائندے،کہ قدرِ زائد اشیاء کی قیمت میں برائے نام اضافے سے پیدا ہوتی ہے،یہ بات پہلے ہی سے فرض کر لیتے ہیں کہ ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو کبھی کچھ فروخت کیے بغیر خریدتا ہے،جو صرف کرتا ہے بغیر کچھ پیدا کیے۔ہماری تحقیق کے اس مرحلے میں ابھی اس قسم کے طبقے کی موجودگی ناقابل وضاحت ہے۔مگر اس کو تسلیم کر لیجئے۔یہ طبقہ وہ روپیہ کہاں سے لاتا ہے جس سے وہ خریدنے چلا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اشیاء پیدا کرنے والوں سے،خواہ کیسے ہی آئینی یا جبری حقوق کی بنا پر،بغیر تبادلے کے۔ایسے طبقے کے ہاتھ اشیا ان کی قدر سے مہنگے داموں فروخت کرنے کے معنی اس زر نقد کا ایک حصہ واپس وصول کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو مفت دے دیا گیا ہے۔چنانچہ ایشائے کوچک کے شہر اہل روما کو خراج کی ادائیگی کرتے ہوئے اس زر نقد کا ایک حصہ تجارت میں اہل روما سے بے ایمانی کر کے وصول کر لیا کرتے تھے۔لیکن دونوں میں سے یہ شہر ہر حال میں نسبتاً بہت زیادہ خسارے میں رہتے تھے۔لہٰذا یہ قدر زائد پیدا کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

آیئے ،دھوکا دہی کی بات فرض کر لیں۔A،40 پاؤنڈ قدر کی شراب B کے ہاتھ 50 پاؤنڈ

قدر کے اناج کے بدلے فروخت کرتا ہے۔A کے پاس 10 پاؤنڈ زیادہ پہنچ گئے اور B کو 10 پاؤنڈ کا نقصان ہوا۔لیکن دونوں کے درمیان تو پہلے کی طرح 90 پاؤنڈ رہے۔قدر منتقل ہوگئی مگر تخلیق نہیں ہوئی۔کسی ملک کا پورا سرمایہ دار طبقہ آپس میں ایک دوسرے سے دھوکا دہی سے اپنی مجموعی دولت میں اضافہ نہیں کرسکتا۔

اس لیے: اگر مساوی الاقدار کا تبادلہ ہوتا ہے تو کوئی قدر زائد پیدا نہیں ہوتی اور اگر غیر مساویوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو بھی کوئی قدر زائد پیدا نہیں ہوتی۔اشیاء کی گردش سے کوئی نئی قدر تخلیق نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ یہاں سرمائے کی سب سے زیادہ قدیم اور سب سے زیادہ عام دو صورتوں، تجارتی سرمائے اور سود خور کے سرمائے کو قطعی زیر غور نہیں لایا گیا۔محض دھوکا دہی کرنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے سرمائے کی یہ دونوں صورتیں جو قدر زائد ہڑپ کر لیتی ہیں، اس کی وضاحت کرنے کے لیے بیچ کی کئی کڑیاں چاہئیں، جو ہماری تحقیق کے موجودہ مرحلے میں ابھی فراہم نہیں ہیں۔بعد میں ہم دیکھیں گے کہ وہ دونوں محض ثانوی شکلیں ہیں اور ہم وہ سبب بھی ڈھونڈ نکالیں گے کہ تاریخ میں ان کا ظہور جدید سرمائے سے مدتوں قبل کیوں ہوا۔

تو قدر زائد اشیائے تجارت کی گردش سے پیدا نہیں ہوسکتی۔لیکن کیا وہ اس سے باہر پیدا ہو سکتی ہے؟ گردش کے باہر شے کا مالک اس شے کا محض پیدا کنندہ ہوتا ہے، جس کی قدر اس میں شامل محنت کی مقدار سے مقرر ہوتی ہے اور اس کی پیمائش معینہ سماجی قانون سے ہوتی ہے۔اس قدر کا اظہار حسابی روپے میں، فرض کیجئے 10 پاؤنڈ کی قیمت میں ہوتا ہے۔لیکن 10 پاؤنڈ کی یہ قیمت بیک وقت 11 پاؤنڈ کی بھی قیمت نہیں ہوا کرتی۔شے میں شامل یہ محنت قدر کی تخلیق کرتی ہے، لیکن ایسی قدر کی نہیں جو نئی قدر پیدا کرے؛ موجودہ قدر میں وہ نئی قدر کا اضافہ کرسکتی ہے، لیکن صرف نئی محنت اس میں شامل کر کے۔تو شے کا کوئی مالک، گردش کے حلقے سے باہر، اشیاء کے دوسرے مالکوں سے تعلق میں آئے بغیر، کیسے اس قابل ہو کہ قدر زائد پیدا کرے، یا بہ الفاظ دیگر۔اشیاء یا روپے کو سرمائے میں تبدیل کرے؟

''تو پھر، سرمایہ اشیائے تجارت کی گردش سے پیدا نہیں ہوسکتا اور اس سے باہر بھی اس کا پیدا ہونا غیر ممکن ہوتا ہے۔اس کو اپنا سرچشمہ اس کے اندر تلاش کرنا ہے، پھر بھی اس کے اندر نہیں۔ روپے کی سرمائے میں تبدیلی کی وضاحت اشیاء کے تبادلے کے جبلی قوانین کی بنیاد پر کرنی

چاہئے، جس کا نقطہ آغاز مساویوں کا تبادلہ ہو۔ روپے کے مالک کو، جو ابھی سرمایہ دار نہیں بنا اور مکمل تتلی بننے سے پہلے کے ابتدائی عمل میں ہے (Chrysalis)، اشیاء ان کی اپنی قدر پر خریدنا اور اُسی پر بیچنا پڑتا ہے، لیکن پھر بھی جتنا لگایا ہے اس سے زیادہ روپیہ[3] اس عمل کے دوران میں اس کو وصول کرنا ہے۔ سرمایہ داری کے گھونگے سے پورا سرمایہ دار تتلی بننے کا عمل اشیاء کی گردش کے حلقے کے اندر ہی ہونا چاہیے اور پھر بھی اس کے اندر نہیں۔ یہ ہیں قضیے کی شرائط۔'' (سرمایہ، صفحہ 163)

اب آیئے اس کا حل دیکھیں:

''اُس روپے کی قدر میں تبدیلی جسے سرمائے میں تبدیل ہونا ہے، خود اسی روپے کے اندر نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ خرید کے وسیلے اور ادائیگی کے وسیلے کی حیثیت سے وہ اس شے کی قیمت محض وصول کرتا ہے جو وہ خریدتا ہے یا جس کی قیمت وہ ادا کرتا ہے، اگر وہ اپنی روپے کی بُنتر ہی میں رہے یعنی اس کا تبادلہ نہ کیا جائے، تو وہ اپنی قدر میں کبھی بھی تبدیلی نہ کر پائے۔ عمل کے دوسرے حصے سے یعنی شے کی بازفروخت سے بھی کوئی مزید تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی؛ کیونکہ اس سے شے اپنی فطرتی بُنتر سے فقط روپے کی بُنتر میں تبدیل ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی لازم ہے کہ اُس شے میں ہو جو پہلے حصے M_C میں خریدی جاتی ہے، لیکن وہ اس کی قدر تبادلہ میں نہیں ہو سکتی، کیونکہ تبادلہ ہم مساویوں کا کرتے ہیں اور شے اپنی قدر کے مطابق خریدی جاتی ہے۔ یہ تبدیلی اِس کی استعمالی قدر (Use Value) ہی سے جنم لے سکتی ہے، یعنی اسے استعمال کرنے کی نوعیت سے۔ کسی شے کے استعمال سے مبادلے کی قدر کشید نے کے لئے، ہمارے مالکِ روپیہ کو گردش کے حلقے کے اندر، منڈی میں ایک ایسی شے تلاش کر لینے کی خوش نصیبی حاصل ہونی چاہئے جس کی استعمالی قدر میں قابل تبادلہ قدر کا سرچشمہ بننے کی نادر صلاحیت موجود ہو، جس کا استعمال میں آجانا محنت کی وصولیابی اور اس لیے قدر کی تخلیق ہوتا ہے۔ اور روپے کے مالک کو منڈی میں ایسی خاص جنس تجارت مل جاتی ہے: کام کرنے کی طاقت، قوت محن۔

''کام کرنے کی طاقت یا قوت محن سے ہماری مراد ان جسمانی اور دماغی صلاحیتوں کا کل مجموعہ ہے جو ایک انسان کے زندہ وجود میں موجود ہوتی ہیں، اور جن کو وہ اس وقت بروئے کار لاتا ہے جبکہ وہ استعمال کی قدریں پیدا کرتا ہے۔

''لیکن منڈی میں قوتِ محن کو شے کے بطور پانے کے لئے اُسے کئی شرطیں پوری کرنی ہوتی

ہیں۔اشیاء کا تبادلہ خود اپنے اندر اس کے سوا انحصاری کے کسی قسم کے تعلقات کا حامل نہیں ہوتا جو خود اس کی نوعیت سے پیدا ہوں۔اس مفروضے پر، منڈی میں قوت محن شے کے بطور آسکتی ہے، صرف اس صورت میں جب اس کا مالک، وہی شخص جس کی یہ قوت محنت ہو، اس کو فروخت کے لیے پیش کرتا ہو یا کر چکا ہو۔اس کو جنس تجارت کی حیثیت سے فروخت کر سکنے کے لیے اس کے مالک کو اپنی قوت محنت کا، اپنے تئیں، آزاد مالک ہونا چاہئے۔وہ اور روپے کا مالک منڈی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور باہمی برابری کے تعلق میں آتے ہوئے یعنی اشیاء کے آزاد اور خود مختار مالکوں کی حیثیت سے، صرف اس فرق کے ساتھ کاروباری سودا کر لیتے ہیں کہ ان میں سے ایک خریدار ہے اور دوسرا فروخت کرنے والا۔قانون کے روبرو برابری کا یہ تعلق بدستور جاری رہنا چاہئے؛ چنانچہ قوت محن کا مالک صرف محدود وقت کے لیے ہی اس کو فروخت کر سکتا ہے۔اگر کہیں وہ اسے تھوک کے حسابوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیچ ڈالے تو گویا وہ اپنے آپ کو بیچ ڈالے گا، وہ آزاد آدمی سے تبدیل ہو کر غلام بن جائے گا، شے کے مالک سے بدل کر خود شے بن جائے گا۔۔۔منڈی میں قوت محن بحیثیت شے روپے کے مالک کو مل سکنے کی دوسری لازمی شرط یہ ہے کہ قوت محن کا مالک ان اشیاء کو فروخت کرنے کے بجائے جن میں اس کی محنت کی تجسیم ہے، خود اپنی قوت محنت کو، اس طرح جیسے کہ اس کا اپنی شخصیت میں وجود ہے، بیچنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

''کوئی بھی پیداوار کنندہ اپنی قوت محن سے مختلف اشیاء فروخت نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ اس کے پاس ذرائع پیداوار، کچا مال، آلات محن وغیرہ نہ ہوں۔چمڑے کے بغیر وہ جوتے نہیں بنا سکتا۔علاوہ ازیں اس کو معاش کے ذرائع چاہئے ہوتے ہیں۔مستقبل میں تیار ہونے والی اشیاء تو کوئی کھا پی نہیں سکتا، ان استعمال کی قدروں کو جن کی پیداوار اس نے ابھی مکمل نہیں کی ہے۔تماشہ گاہ عالم میں اپنے نمودار ہونے کے روز اول کی طرح انسان مجبور ہوتا ہے کہ پیداوار حاصل کرنے سے پہلے اور اس کے دوران میں صرف کرے۔اگر اس کی مصنوعات اشیاء کے بطور پیدا کی جاتی ہیں، تو وہ پیداوار کے بعد ہی فروخت ہوں گی اور فروخت ہو جانے کے بعد ہی وہ اس کی ضرورتیں پوری کر سکتی ہیں۔پیداوار کے وقت کی طوالت فروخت کے لیے درکار وقت کے بموجب بڑھ جایا کرتی ہے۔

''اس طرح روپے کی سرمائے میں تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ روپے کے مالک کو منڈی میں آزاد مزدور ملے، آزاد دوہرے معنوں میں، یہ کہ وہ آزاد شخص کی حیثیت سے اپنی قوت محن استعمال

کرسکتا ہو، اور دوسری طرف اس کے پاس فروخت کرنے کے لیے دوسری اشیاء نہ ہوں، یعنی یہ کہ اس پر کوئی بندشیں نہ ہوں، وہ ساری چیزوں سے آزاد ہوتا کہ اپنی قوت محنت کو بروئے عمل لا سکے۔

''اس مسئلے سے روپے کے مالک کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ منڈی میں اس کو یہ آزاد مزدور کیوں مل جاتا ہے۔ اس کے لیے تو محن کی منڈی اشیاء کی عام منڈی کے مختلف شعبوں میں سے محض ایک شعبہ ہے۔ اور، فی الحال، ہمیں بھی اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم فکری اعتبار سے اس بات پر جمے رہتے ہیں، اسی طرح جیسے وہ عملی طور پر اس سے چپکا رہتا ہے۔ ایک چیز تو واضح ہے۔ ایک طرف روپے اور اشیاء کے مالک کو اور دوسری طرف ان کو جو سوائے اپنی قوت محنت کے اور کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، فطرت پیدا نہیں کرتی۔ یہ تعلق فطرت کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہے، نہ ہی یہ سماجی تعلق تمام تواریخی زمانوں میں مشترک رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل تواریخی عمل کا نتیجہ ہے، متعدد معاشیاتی انقلابوں کا، سماجی پیداوار کے پرانے طریقوں کے ایک پورے سلسلے کے تباہ ہو جانے کا۔

''پہلے جن معاشیاتی زمروں کا ہم تجزیہ کر چکے ہیں وہ بھی، اسی طرح اپنے تواریخی آغاز کے نقش کے حامل ہیں۔ کسی مصنوعہ کا شے کی بُنتر میں وجود بعض تواریخی شرائط کا حامل ہوتا ہے۔ شے بننے کے لیے کسی شے کو خود پیدا کار کی اپنی فوری ضروریات کی تکمیل کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا جانا چاہئے۔ اب، اگر ہم نے سوال کیا ہوتا کہ کیسے اور کن حالات میں تمام یا کم از کم بیشتر مصنوعات اشیاء کی صورت اختیار کر لیتی ہیں؟ تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف ایک مخصوص نظامِ پیداوار، سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کی بنیاد پر ظہور میں آتا ہے۔

لیکن شے کے تجزیئے میں یہ سوال قطعی غیر متعلق ہے۔ جنس تجارت کی پیداوار اور ان کی گردش اس وقت بھی ممکن ہو سکتی ہے جبکہ ضرورت سے زائد مصنوعات کا انبوہ_ جو کہ گھریلو ضروریات کے لئے پیدا کی جاتی ہیں_ کبھی اشیاء میں تبدیل ہی نہ ہو؛ جبکہ اس طرح، پیداوار کا سماجی عمل ابھی اپنی تمام تر وسعت اور گہرائی میں قدر تبادلہ کے زیر اقتدار آنے سے بہت دور ہو... یا، روپے کا تجزیہ کرتے ہوئے، ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روپے کا وجود اشیاء کی گردش کے ایک حد تک ارتقاء کی پیش قیاسی کر لیتا ہے۔ روپے کی وہ مخصوص بُنتریں جیسے کہ سادہ مساوی القدر بُنتر، یا گردش کے وسائل، ادائیگی کے ذرائع، جمع وست، یا یونیورسل روپے کا کسی نہ کسی شکل میں عام ہونا پیداوار کے سماجی عمل کے مختلف مرحلوں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ پھر بھی تجربہ دکھاتا ہے کہ اشیاء

کی گردش کی نسبتاً ناپختہ حالت بھی ان تمام بُنتروں کو پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔لیکن سرمائے کی بات بالکل مختلف ہے۔اس کے وجود کے لیے ضروری تاریخی حالات اشیاء اور روپے کی محض گردش کے ساتھ ہی ساتھ پیدا نہیں ہو جاتے۔سرمائے کا آغاز اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ پیداوار کے ذرائع اور معاش کے ذرائع کا مالک منڈی میں اس آزاد محنت کش سے ملتا ہے جو اپنی قوت محن کو فروخت کے لیے پیش کر رہا ہو،اور اس ایک شرط میں تاریخی ارتقاء کی مدتیں لگ جاتی ہیں۔اس طرح فوراً ہی سرمایہ پیداوار کے سماجی عمل کے ایک مخصوص دور کا نقیب بن کر آ جاتا ہے۔''(سرمایہ،صفحہ 167)

اب ہمیں اس عجیب وغریب شے،قوت محنت پر غور کرنا ہے۔باقی تمام اشیاء کی طرح اس کی بھی مبادلے میں ایک قدر ہوتی ہے؛اس قدر کا تعین بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ دوسری تمام اشیاء کا:محنت کے اس وقت کے ذریعے جو اس کی پیداوار کے لیے ضروری ہوتا ہے جس میں اس کی تجدید بھی شامل ہے۔قوت محن کی قدر معاش کے ان وسائل کی قدر کے برابر ہوتی ہے جو حسب معمول کام کے قابل رہنے کے لئے اس کے مالک کو چاہئے ہوتے ہیں۔معاش کے ان وسائل کا تعین آب وہوا اور دوسرے قدرتی حالات سے اور اس معیار سے ہوتا ہے جو تواریخی اعتبار سے ہر ملک میں قائم ہو گیا ہے۔اُن میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر کسی خاص ملک اور خاص دور کے لیے وہ بھی مخصوص ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں،ان میں ضعیف مزدوروں کی جگہ آنے والوں کے لیے،ان کے بچوں کے ذرائع معاش بھی شامل ہوتے ہیں تا کہ اشیاء کے مالکان کی یہ عجیب و غریب نسل اپنے وجود کا تسلسل قائم رکھ سکے۔آخری یہ کہ ہنر مند مزدوروں کی تعلیم کے اخراجات بھی ان میں شامل ہیں۔

قوت محن کی قدر کی کم از کم حد زندگی کی مادی ضرورتوں کی قدر ہوتی ہے۔قوت محن کی قیمت اگر اس حد سے کم ہو جائے تو وہ اس کی قدر سے نیچے گر جاتی ہے کیونکہ آخر الذکر میں قوت محن حسب معمول کوالٹی کی ہوتی ہے گھٹیا نہیں۔

محنت کی نوعیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قوت محن فروخت کے بعد ہی استعمال میں آتی ہے اور سرمایہ دارانہ طبع پیداوار کے حامل تمام ملکوں میں محنت کی اجرت اس وقت دی جاتی ہے جبکہ وہ کر لی گئی ہو۔اس طرح سے سرمایہ دار ہر جگہ مزدور کا مقروض ہوتا ہے۔مزدور کے دیے

ہوے اس قرض کے عملی نتائج کی جناب مارکس نے پارلیمانی کاغذات سے بعض دلچسپ مثالیں پیش کی ہیں جن کے لیے ہم خود کتاب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

قوت محنت صرف کرنے کے دوران، اس کا خریدار بیک وقت اشیاء بھی پیدا کرتا ہے اور قدر زائد بھی؛ اور اس پر غور کرنے کے لیے ہمیں گردش کے میدان عمل کو چھوڑ کر پیداوار کے میدان میں چلے جانا چاہئے۔

یہاں ہمیں فوراً ہی پتا چل جاتا ہے کہ محنت کا عمل دوہری نوعیت کا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ قدر استعمال کی پیداوار کا سادہ عمل ہوتا ہے؛ اس لحاظ سے سماجی وجود کی تمام تواریخی شکلوں کے تحت یہ جوں کا توں باقی رہ سکتا ہے اور رہنا چاہئے۔ دوسری طرف یہ وہ عمل ہے جو سرمایہ دارانہ پیداوار کے مخصوص حالات کے تحت، جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، انجام دیا جاتا ہے۔ ان کی اب ہمیں تحقیقات کرنی ہے۔

سرمایہ دارانہ بنیاد پر محنت کے عمل کی دو خصوصیتیں ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ مزدور سرمایہ دار کے ماتحت کام کرتا ہے جو اس کی فکر رکھتا ہے کہ کچھ بھی ضائع نہ ہو اور یہ کہ کام کے ہر انفرادی جز پر محنت کی مقدار اس سے زیادہ خرچ نہ ہو جو کہ سماجی اعتبار سے ناگزیر ہے۔ دوسرے یہ کہ تیار مال سرمایہ دار کی ملکیت ہوتا ہے، خود عمل ان دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے جو اس کی ملکیت ہوتی ہیں: قوت محن اور محنت کے ذرائع۔

سرمایہ دار کو افادہ قدر کی پروا نہیں ہوتی، ماسوا اس حد تک کہ قابل تبادلہ قدر اس میں شامل ہو اور سب سے پہلے قدر زائد۔ اس کے پیش نظر مقصد وہ شے پیدا کرنا ہوتا ہے جس کی قدر اس کی پیداوار میں لگائی جانے والی قدر کے میزان کل سے زیادہ ہو۔ یہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ہم کوئی خاص شے، مثلاً سوت، کو لیں اور اس میں محنت کی جس مقدار کی تجسیم ہوتی ہو اس کا تجزیہ کریں۔ فرض کیجیے کہ 10 پاؤنڈ سوت کی پیداوار کے لیے ہمیں 10 پاؤنڈ کپاس چاہئے، جس کی قدر 10 شلنگ کے برابر ہے (بیچ میں جو مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس کو ہم نے شمار نہیں کیا ہے)۔ محنت کے دوسرے ذرائع بھی درکار ہوتے ہیں: سٹیم انجن، روئی دھنکنے کی مشین اور دوسری مشینیں، کوئلہ، مشینوں میں دینے کے تیل، وغیرہ، الجھن سے بچنے کے لیے ان سب کو ہم ''تکلہ'' کہتے ہیں اور فرض کر لیتے ہیں کہ گھسائی پٹائی، کوئلے وغیرہ کا خرچ جو 10 پاؤنڈ سوت کا تنے پر ہوتا

ہے 2 شلنگ کے برابر ہے۔اس طرح سے کل خرچ سوت پر دس اور تکلے پر دو،کل ملا کر 12 ہوا۔اگر کام کرنے کے 24 گھنٹوں یا کام کرنے کے دو دنوں کا اظہار 12 شلنگ کرتے ہیں تو سوت میں، جو کپاس اور تکلے پر مشتمل ہوتا ہے، کام کرنے کے دو دنوں کی محنت شامل ہوتی ہے۔ اب کتائی میں اور کیا شامل کیا جائے؟

قوت محن کی قدر ہم یومیہ 3 شلنگ فرض کریں گے اور یہ تین شلنگ چھ گھنٹوں کی محنت کے برابر ہوں گے۔مزید برآں یہ چھ گھنٹے ایک مزدور کو 10 پاؤنڈ سوت کاتنے کے لیے درکار ہوں گے۔اس صورت میں اس شے میں محنت نے 3 شلنگ کا اضافہ کر دیا۔اب 10 پاؤنڈ سوت کی قدر 15 شلنگ کے برابر ہے یا فی پاؤنڈ ایک شلنگ 6 پنس۔

یہ عمل نہایت ہی سادہ ہے مگر اس میں کوئی قدر زائد حاصل نہیں ہوتی۔نہ ہی ہو سکتی ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ پیداوار میں کام سادہ طریقے سے انجام نہیں دیئے جاتے۔

''ہم نے فرض کیا تھا کہ قوت محنت کی قدر 3 شلنگ یومیہ تھی اور یہ کہ اس رقم سے 6 گھنٹے کی محنت ظاہر ہوتی ہے۔۔۔

ہم قوتِ محن کی قدر 3 شلنگ یومیہ فرض کرتے ہیں۔لیکن اگر نصف دن کی محنت کسی مزدور کو 24 گھنٹے قائم رکھنے کے لئے کافی ہو تو اسی مزدور سے پورے دن کام کرانے میں رکاوٹ ڈالنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔قوت محن کی قابلِ مبادلہ قدر، اور اس کے استعمال کے عمل میں جو قدر پیدا ہو سکتی ہے، دونوں قطعی مختلف مقداریں ہیں، اور یہی وہ فرق ہے جو سرمایہ دار نے اس شے میں اپنی رقم لگاتے وقت نگاہ میں رکھا تھا۔یہ کہ محنت میں افادہ قدر پیدا کرنے کا وصف ہے، قدر پیدا کرنے کے لئے یہ صرف اِس حد تک ناگزیر شرط ہے کہ محنت کو کارآمد طریقے سے استعمال کیا جائے۔لیکن ہمارے سرمایہ دار نے اس سے بھی پرے تک دیکھا؛ جو چیز اس کے لیے باعث کشش ہوئی وہ ایسی مخصوص صورت حال تھی کہ یہ قوت محن قابل تبادلہ قدر کا سرچشمہ ہے اور اس قابل تبادلہ قدر سے زیادہ کا جو کہ خود اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔یہ وہ عجیب وغریب خدمت ہے جس کی سرمایہ دار اس سے توقع کرتا ہے۔اور ایسا کرتے وقت وہ شے کے تبادلے کے اٹل قوانین کے مطابق عمل کرتا ہے۔قوت محن فروخت کرنے والا اس کی قدر تبادلہ وصول کر لیتا ہے اور اس کی افادہ قدر دے دیتا ہے۔وہ ایک کو دیے بغیر دوسری کو حاصل نہیں کر سکتا۔قوت محن کی افادہ قدر، خود محنت، اسی طرح

اس کے فروخت کرنے والے کی ملکیت نہیں رہ جاتی جس طرح کہ فروخت کئے ہوئے تیل کی افادہ قدر تیل کے سوداگر کی ملکیت نہیں رہتی۔ سرمایہ دار نے قوت محن کی یومیہ قدر کا معاوضہ ادا کر دیا ہے؛ اس لئے دن بھر اس کو استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل ہوتا ہے، ایک دن کی محنت کا۔ یہ صورت حال کہ ایک دن کی قوت محن اپنے پاس رکھنے کی قیمت اس کو صرف آدھے دن کی محنت ہی پڑتی ہے حالانکہ اس قوت محن سے سارے دن کام لیا جا سکتا ہے؛ یا یہ کہ، اس لیے، ایک دن میں اس کے استعمال سے جو قدر پیدا ہوتی ہے وہ اس کی اپنی یومیہ قدر کی بہ نسبت دگنی ہوتی ہے یہ صورت حال خریدار کے لیے ایک عجیب وغریب خوش قسمتی ہے لیکن فروخت کرنے والے کے ساتھ قطعی کوئی زیادتی نہیں ہے۔

''تو پھر، مزدور 12 گھنٹے کام کرتا ہے، 20 پاؤنڈ سوت کاتتا ہے جس میں کپاس 20 شلنگ کی، تکلے وغیرہ 4 شلنگ کے اور اس کی محنت کی قیمت کے 3 شلنگ۔۔۔ کل جمع 27 شلنگ ہوئے۔ لیکن اگر 10 پاؤنڈ کپاس میں 6 گھنٹے کی محنت لگی تھی تو 20 پاؤنڈ کپاس میں 12 گھنٹے کی محنت صرف ہوگی جو 6 شلنگ کے برابر ہوئی۔ 20 پاؤنڈ سوت اب 5 دن کی محنت کو ظاہر کرتا ہے: 4 تو کپاس اور تکلے وغیرہ کی شکل میں اور ایک کتائی کی محنت کی شکل میں؛ 5 دن کی محنت روپے کی صورت میں 30 شلنگ کے برابر ہوتی ہے۔ چنانچہ 20 پاؤنڈ سوت کی قیمت 30 شلنگ ہوئی یا 1 شلنگ 6 پنس فی پاؤنڈ_ لیکن اس پورے عمل میں جن قدروں کی اشیاء صرف ہوئی تھیں ان کا میزان کل 27 شلنگ تھا۔ تیار مال کی قدر، لگائی ہوئی اشیائے تجارت کی قدر سے نواں حصہ بڑھ گئی۔ اس طرح سے 27 کی رقم 30 میں بدل گئی۔ انہوں نے 3 شلنگ کے برابر قدر زائد پیدا کی۔ چال آخر کار کامیاب ہوئی۔ روپیہ سرمائے میں تبدیل ہو گیا۔ (سرمایہ، صفحہ 189)

''قضیئے کے تمام نکات حل ہو گئے اور اشیاء کے تبادلے کے قوانین کی کسی طرح خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ مساوی کا تبادلہ مساوی سے کیا گیا۔ سرمایہ دار نے خریدار کی حیثیت سے ہر شے یعنی کپاس، تکلے، وغیرہ قوت محنت کی قیمت اس کی قدر کے مطابق ادا کی۔ جس کے بعد اس نے وہی کیا جو کہ اشیاء کا ہر خریدار کیا کرتا ہے۔ وہ ان کی قدر استعمال کام میں لے آیا۔ قوت محن کی کھپت کے عمل کا، جو ساتھ ہی ساتھ اشیاء کی پیداوار کا عمل بھی تھا، نتیجہ 20 پاؤنڈ سوت کی پیداوار کی شکل میں ظاہر ہوا جس کی قدر 30 شلنگ ہے۔ ہمارا سرمایہ دار واپس منڈی میں آتا ہے اور سوت کو

ایک شلنگ 6 پنس فی پاؤنڈ کے حساب سے فروخت کر دیتا ہے۔ اس کی قدر سے نہ ایک کسر کم نہ زیادہ، اور پھر بھی گردش میں سے وہ اس رقم سے 3 شلنگ زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔ جو کہ اس نے اس میں شروع میں لگائی تھی۔ یہ پورا عمل، اس کے روپے کی سرمائے میں تبدیلی کا عمل، گردش کے حلقے کے اندر ہوتا ہے؛ اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر ہوتا بھی نہیں۔ گردش کی دخل اندازی سے اس لیے کہ منڈی میں قوت محن کی خرید اس کی ناگزیر شرط تھی۔ گردش کے حلقے کے اندر اس لیے نہیں کیونکہ یہ قدر سے قدر کے پیدا ہونے کا عمل محض شروع کرتا ہے جو پیداوار کے میدان عمل میں انجام پاتا ہے۔ اور اس طرح۔۔۔ ''ہماری دنیا میں جو ہوتا ہے، اچھا ہوتا ہے۔''

قدر زائد جس طریقے سے پیدا ہوتی ہے اس کی تشریح کر کے جناب مارکس اس کا تجزیہ کرنے کی جانب توجہ منتقل کر لیتے ہیں۔ اور جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کسی پیداواری کاروبار میں لگائے ہوئے سرمائے کا ایک حصہ قدر زائد پیدا کرنے میں ادا ہوتا ہے اور یہ سرمائے کا وہ حصہ ہے جو قوت محن خریدنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ صرف یہ حصہ ہی نئی قدر پیدا کرتا ہے۔ مشینری، کچے مال، کوئلے وغیرہ میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے وہ تیار مال کی قدر میں بلاشبہ جوں کا توں پھر نمودار ہوتا ہے، وہ برقرار رہتا اور پھر سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس سے قدر زائد پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ بات جناب مارکس کو اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ وہ سرمائے کی نئی ذیلی تقسیم تجویز کریں: بقا پذیر سرمایہ (Constant Capital)، وہ جس کی محض تجدید پیداوار ہو جاتی ہے۔۔۔ وہ حصہ جو مشینری، کچے مال اور محنت کے دیگر لوازمات میں لگایا جاتا ہے۔۔۔ اور تغیر پذیر سرمایہ (Variable Capital)، وہ جس کی نہ صرف تجدید پیداوار ہوتی ہے بلکہ جو ساتھ ہی ساتھ قدر زائد کا براہ راست سرچشمہ ہوا کرتا ہے۔۔۔ وہ حصہ جو قوت محن کی خرید میں، اجرتوں پر لگایا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ قدر زائد کے پیدا ہونے کے لیے بقا پذیر سرمایہ خواہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو، پھر بھی وہ براہ راست اس میں حصہ ادا نہیں کرتا؛ اور، اس کے علاوہ، کسی بھی کاروبار میں لگائے ہوئے بقا پذیر سرمائے کی مقدار کا اس کاروبار سے حاصل ہونے والی قدر زائد کی مقدار پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔ (4) چنانچہ قدر زائد کی شرح مقرر کرنے میں اس کو قطعی پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے۔ اس کا تعین قدر زائد کی کل رقم کا اس سرمائے کی کل رقم سے موازنہ کر کے ہی کیا جا سکتا ہے جو براہ راست اس کی تخلیق انجام دے رہا ہو، یوں کہنا چاہئے کہ تغیر

پذیر سرمائے کی مقدار سے۔ جناب مارکس، اس لیے، قدر زائد کی شرح کا تعین صرف اس کے تغیر پذیر سرمائے کے تناسب سے ہی کرتے ہیں: اگر محنت کی یومیہ قیمت 3 شلنگ ہو اور روزانہ تخلیق ہونے والی قدر زائد بھی 3 شلنگ ہو تو وہ قدر زائد کی شرح کو 100 فیصدی کہتے ہیں۔ قدر زائد کی پیداوار میں بقا پذیر سرمائے کو، حسب دستور ایک عامل عنصر تسلیم کرنے سے کیسی عجیب وغریب فاش غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں، اس کی ایک مثال جناب این۔ ڈبلو۔ سینئر سے ملتی ہے ''جبکہ آکسفورڈ کے ان پروفیسر صاحب کو جو اپنی علمی کارگزاریوں اور دلپذیر انداز بیاں کے لیے مشہور تھے، 1836ء میں مانچسٹر آنے کی دعوت دی گئی تھی تاکہ وہاں وہ سیاسی معاشیات (سوت کاتنے والوں سے) سیکھیں، بجائے اس کے کہ اس کی آکسفورڈ میں تعلیم دیں۔'' (سرمایہ، صفحہ 215)

کام کرنے کے اس وقت کو جس میں مزدور اپنی قوت محنت کی قدر کی تجدید کر لیتا ہے، جناب مارکس ''محنِ لازم'' (Necessary Labour) کہتے ہیں۔ اس سے فاضل وقت میں جو کام کرتا ہے اور جس کے دوران میں قدرِ زائد پیدا ہوتی ہے اس کو وہ ''محنِ زائد'' (Surplus Labour) کہتے ہیں۔ محنِ لازم اور محنِ زائد مل کر ''کام کرنے کے دن'' کی تشکیل کرتے ہیں۔

کام کرنے کے دن میں محنِ لازم کے لیے جو وقت چاہیے ہوتا ہے وہ طے ہوتا ہے؛ لیکن محنِ زائد میں جو وقت لگتا ہے وہ کسی معاشیاتی قانون کے ذریعے مقرر نہیں ہوتا، وہ بعض حدود کے اندر نسبتاً طویل بھی ہو سکتا ہے اور مختصر بھی۔ وہ صفر کبھی بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ پھر مزدور کام پر لگانے کو سرمایہ دار کے لیے محرک باقی نہیں رہے گا اور نہ ہی کام کرنے کے دن کی مجموعی لمبائی کبھی 24 گھنٹے کے برابر ہو سکتی ہے، جس کا سبب جسمانی صلاحیت ہے۔ لیکن چھ گھنٹے کام کرنے کے دن اور اس کے کہ جس میں 24 گھنٹے ہوں، درمیان بیچ کی کئی منزلیں ہو سکتی ہیں۔ اشیاء کے تبادلے کے قوانین مطالبہ کرتے ہیں کہ کام کرنے کے دن کی لمبائی اس سے زیادہ نہ ہو جو مزدور کے حسب معمول تھکنے سے مناسبت رکھے۔ لیکن تھکنے کا یہ معمول کیا ہے؟ روزانہ کتنے گھنٹے کا کام اس سے مناسبت رکھتا ہے؟ یہاں سرمایہ دار کی رائے مزدور کی رائے سے بہت ہی مختلف ہوتی ہے اور چونکہ اعلیٰ ارباب اختیار کوئی نہیں ہیں اس لیے مسئلہ طاقت کے زور سے حل ہوتا ہے۔ کام کرنے کے دن کی لمبائی مقرر کرنے کی تاریخ اجتماعی سرمایہ دار اور اجتماعی مزدور کے درمیان، سرمایہ داروں اور

محنت کشوں کے دو طبقوں کے درمیان اس کی حدیں مقرر کرنے کے متعلق جدوجہد کی تاریخ ہے۔

''سرمائے نے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، قدر زائد ایجاد نہیں کی۔ جہاں کہیں بھی سماج کے ایک حصے کے پاس ذرائع پیداوار کی تنہا اجارہ داری ہوتی ہے، وہاں مزدور کو، خواہ وہ غلام ہو، زرخرید کسان یا آزاد، اپنے گزارے کے لیے محنت کے علاوہ مزید محنت کرنا پڑتی ہے تاکہ وہ ذرائع پیداوار کے مالک کے ذرائع معاش پیدا کرے خواہ وہ ایتھنز کا رئیس ہو، قدیم ایٹروویائی حکومت الٰہی کا حاکم، باشندۂ روم، نارمنڈی کا بیرن، امریکی مالک غلامان، ویلیخیائی بویر، جدید زمیندار یا سرمایہ دار۔۔۔'' (سرمایہ، صفحہ 226)

لیکن یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی شکل کے سماج میں جہاں مال کی قدر استعمال تبادلے کی قدر سے زیادہ اہم ہو، زائد محنت سماجی ضرورتوں کے تنگ یا زیادہ وسیع دائرے کی پابند رہتی ہے اور یہ کہ ان صورت حالات میں، زائد محنت کی خود اس کی اپنی خاطر خواہش لازمی طور پر موجود نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلاسیکی دور میں زائد محنت اپنی انتہائی شکل میں، لوگوں سے کام لیتے لیتے ان کو مار ڈالنے کا، وجود قریب قریب صرف سونے اور چاندی کی کانوں تک محدود تھا، جہاں تبادلے کی قدر اپنی انفرادی بُنتر میں، یعنی روپے کی صورت میں پیدا ہوتی تھی۔

''لیکن جہاں کہیں بھی کوئی قوم جس کی پیداوار غلاموں یا زرخرید کسانوں کے نظاموں کی ابتدائی شکلوں کے مطابق کی جاتی ہو، اور جب ایک ایسی عالم گیر منڈی کی طرف کھینچ آتی ہو جہاں سرمایہ دارانہ پیداوار غالب ہو، اور اس لیے جہاں برآمد کے لیے اس کے تیار مال کی فروخت اس کے خاص مقصد کی تشکیل کرتی ہو۔ وہاں غلامی کے یا زرخرید کسانوں کے نظام کی وحشیانہ بدنامیوں میں حد سے زیادہ کام کرانے کی مہذب بدنامیاں مزید شامل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں غلام محنت نے اعتدال اور پدری نظام کا کردار برقرار رکھا جبکہ پیداوار کا رخ بیشتر فوری گھریلو صرفے کی جانب تھا۔ لیکن جس حد تک کپاس کی برآمد اُن ریاستوں کے لیے بنیادی مفاد کا باعث بنی، اسی حد تک نیگروؤں سے حد سے زیادہ کام لینا، بعض صورتوں میں کام کرنے کے سات سال کے عرصے ہی میں ان کی زندگی کا ست نچوڑ لینا، سوچے سمجھے اور حسابی نظام کا ایک عنصر بن گیا۔۔۔ وادیٔ ڈنیوب کی مملکتوں میں زرخرید کسانوں کی بیگار کا بھی یہی حال تھا۔'' (سرمایہ، صفحہ 27-226)

یہاں سرمایہ دارانہ پیداوار سے موازنہ خاص طور سے دلچسپ ہو جاتا ہے کیونکہ، بیگار میں۔

زائد محنت کی ایک علیحدہ، نظر آنے والی شکل ہوتی ہے۔

''فرض کیجئے کہ کام کرنے کے دن میں چھ گھنٹے محنِ لازم کے ہوتے ہیں اور چھ گھنٹے زائد محن کے؛ تو ہفتے بھر میں مزدور سرمایہ دار کو 36 گھنٹے کی زائد محنت فراہم کرتا ہے۔ یوں بھی ہوسکتا تھا کہ وہ تین دن اپنے لیے کام کرتا اور تین دن سرمایہ دار کے لیے۔ لیکن یہ ایک ہی نظر میں دکھائی نہیں دے جاتا۔ زائد محن اور لازم محن کم وبیش آپس میں گڈمڈ ہوتی ہیں۔ اسی تعلق کو میں اس طرح بھی ظاہر کرسکتا تھا کہ ہر منٹ میں مزدور 30 سیکنڈ اپنے لیے کام کرتا ہے اور مزید 30 سیکنڈ سرمایہ دار کے لیے۔ لیکن زرخرید کسان کی بیگار کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اس کی محنت کی دو شکلوں میں بُعد مکانی ہوتا ہے۔ وہ محنت جو، مثلاً ویلیچیائی کسان اپنے لیے کرتا ہے، اسے وہ خود اپنے کھیت میں انجام دیتا ہے، بویر کے لیے اپنی زائد محنت وہ بویر کی جاگیر میں جا کر انجام دیتا ہے۔ اس کی محنت کے ان دو حصوں کا وجود ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے، زائد محنت، بیگار کی شکل میں، لازم محنت سے قطعی طور پر علیحدہ ہوجاتی ہے۔''

وادیٔ ڈینیوب کی مملکتوں کی جدید سماجی تاریخ کی مزید دلچسپ مثالوں کا اقتباس پیش کرنے سے ہم احتراز کریں گے جن سے جناب مارکس نے ثابت کیا ہے کہ وہاں کے بویر، روسی مداخلت کی مدد سے، زائد محنت نچوڑنے میں اتنے ہی چالاک ہیں جتنے کہ سرمایہ دار مالکان۔ لیکن وہ ''ریگلے منت آرگانیک'' (5) جو روسی جنرل کیسیلیف نے بویروں کو پیش کئے جن کی بدولت کسانوں کی محنت پر ان کو قریب قریب غیر محدود اختیارات حاصل ہوگئے تھے، جو چیز مثبت انداز میں ظاہر کرتے ہیں، انگریزی فیکٹری قوانین انہیں کو منفی طور پر۔

''ریاست کے اقتدار کے ذریعے، اور اس ریاست کے ذریعے جس پر زمینداروں اور سرمایہ داروں کی فرماں روائی ہو، کام کے دن کی حد جبریہ مقرر کرکے سرمائے کے اس جبلی رجحان کی یہ قوانین مخالفت کرتے ہیں کہ قوت محن لا انتہا چوسی جائے۔ مزدور طبقے کی تحریک سے قطع نظر جو روز بروز زیادہ وسعت اختیار کرتی جارہی تھی، فیکٹری میں محنت کی یہ حد بندی اسی ضرورت کے مطالبے پر کی جارہی تھی جو پیرو کی کھادانگلستان کے کھیتوں میں لیکر آئی تھی۔ اس بے حد وحساب اندھی حرص و لالچ نے جس نے ایک صورت میں زمین کا ست نچوڑ کر اس کو پھوکا کر دیا تھا، دوسری صورت میں قوم کی توانائی کی جڑیں تک کھوکھلی کر ڈالی تھیں۔ یہاں وقتاً فوقتاً پھیلنے والی وبائیں زبان حال سے

اسی طرح سب کچھ بتا دیتی ہیں جس طرح کہ فرانس اور جرمنی میں فوجیوں کے لیے معیاری قد متواتر گھٹانے کے ضرورت۔'' (سرمایہ، صفحہ 252)

یومِ کار کو ساری معقول حدوں سے بھی پرے تک بڑھانے کے سرمائے کے رجحان کو ثابت کرنے کے لیے جناب مارکس فیکٹری انسپکٹروں کی رپورٹوں، بچوں کی ملازمت کے متعلق کمیشن، صحت عامہ کی رپورٹوں اور دوسرے پارلیمانی کاغذات سے خوب اقتباسات پیش کرتے ہیں اور ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل نتائج کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

''یومِ کار کیا ہے؟ قوت محن کی یومیہ قدر ادا کرنے کے بعد سرمائے کو کتنے عرصے تک اس کو مصرف میں لانے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ خود قوت محن کی تجدید کے لیے کام کرنے کا جو وقت چاہیے اس سے کام کرنے کا دن کس حد تک مزید بڑھایا جا سکتا ہے؟ سرمایہ، جیسے کہ ہم دیکھ چکے ہیں، جواب دیتا ہے: کام کرنے کا دن پورے چوبیس گھنٹے کے برابر ہوتا ہے، ماسوائے آرام کے ان چند گھنٹوں کے جن کے بغیر قوتِ محن اپنی خدمات کی تجدید سے قطعی انکار کر دیتی ہے۔ یہ تو ایک روزمرہ کی بات ہوگئی ہے کہ مزدور لمبے چوڑے سارے دن قوت محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، یہ کہ اس کے پاس صرف کرنے کا جو بھی وقت ہوتا ہے وہ کام کرنے کا وقت ہوتا ہے اور قدر پیدا کرنے والے سرمائے کی ملکیت ہوتا ہے۔۔۔لیکن زائد محنت کے پیچھے اندھے بن کر پاگلوں کی طرح بھاگنے میں سرمایہ کام کرنے کے دن کی نہ صرف اخلاقی بلکہ خالص جسمانی زیادہ سے زیادہ وسیع حدوں کو بھی روند ڈالتا ہے۔۔۔قوت محنت کے عرصۂ حیات کی سرمایہ کوئی پروا نہیں کرتا۔۔۔ وہ وقت سے پہلے اس کی تھکن اور موت کے سامان پیدا کرتا ہے، وہ محنت کرنے والے کی زندگی کسی ایک خاص مدت میں چھوٹی کر کے کام کرنے کے عرصے کو بڑھایا کرتا ہے۔'' (سرمایہ، صفحہ 252)

لیکن کیا یہ خود سرمائے کے مفادات کے برعکس نہیں ہے؟ کیا سرمائے کو، ایک طویل عرصے کے دوران میں، مزدور کو حد سے زیادہ تھکانے سے اس کو بدلنے کی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی؟ نظری اعتبار سے ممکن ہے کہ صورت یہی ہو۔ عملی طور پر جنوبی ریاستوں کے اندرونی حصوں میں غلاموں کی منظم تجارت نے غلام کی کام کرنے کی قوت سات سال کے اندر نچوڑ لینے کو کفایت شعاری کے مانے ہوئے اصول کی بلندی تک پہنچا دیا تھا؛ عملی طور پر انگریز سرمایہ دار زراعتی اضلاع سے مزدوروں کی رسد پر بھروسہ کیا کرتا ہے۔

''اس کو فاضل آبادی متواتر نظر آتی ہے، یعنی زندہ محنت کو جذب کرنے کی سرمائے کی صلاحیت کے مقابلے میں حد سے زیادہ آبادی، چاہے یہ فاضل آبادی لوگوں کی اپاہج ہو جانے والی، تیزی کے ساتھ ماند پڑ جانے والی نسل کی باڑھ آتے رہنے سے ہو رہی ہو جو اپنے وارثوں پر دباؤ ڈال رہے ہوں اور پکنے سے پہلے ہی ٹوٹ کر گر پڑتے ہوں۔ غیر جانبدار مشاہد کو، دوسری طرف، تجربہ یقینی طور پر یہ دکھائے گا کہ سرمایہ دارانہ پیداوار نے کتنی جلدی، جو تاریخی اعتبار سے کہا جائے تو ابھی کل ہی سے شروع ہوئی تھی، قومی قوت کی زندگی بخش جڑوں پر وار کیا ہے، صنعتی آبادی کے تنزل کی رفتار رزعی عناصر کو متواتر جذب کر کے ہی کس طرح کم کی جا رہی ہے۔ اور کس طرح ان زرعی مزدوروں کا بھی، تازا ہوا اور قدرتی چھنٹائی کے اس اصول کے باوجود جو کہ ان میں اس قدر خصوصیت کے ساتھ غالب ہوتا ہے، زوال شروع ہو چکا ہے۔ سرمائے کو محنت کش طبقوں کی، جن کے درمیان وہ رہتا ہے، مصیبتوں سے انکار کرنے سے ''بڑے بڑے اغراض'' وابستہ ہیں، سرمائے کو اپنی عملی سرگرمی میں نسل انسانی کے آئندہ تنزل کے امکانات سے اور انجام کار آبادی کا نشان مٹ جانے کے امکان سے اتنی ہی کم یا اتنی ہی زیادہ پریشانی ہوگی جتنی کہ سورج پر کرۂ ارض کے گر جانے کے امکان سے۔ ہر مشترکہ اثاثے کی 'محدود' ٹھگی میں ہر شرکت کرنے والا جانتا ہے کہ جلدی یا دیر سے طوفان برق وباراں ضرور آئے گا لیکن ہر ایک یہی توقع کرتا ہے کہ بجلی اس کے پڑوسی ہی کے سر پر گرے گی، اس کے بعد ہی جبکہ خود اس کو سونے چاندی کی بارش سے دولت سمیٹ لینے اور اس کو بحفاظت ذخیرہ کر لینے کی مہلت مل چکی ہوگی۔ ہر سرمایہ دار کا اور ہر سرمایہ دار قوم کا نعرہ جنگ ہے: میرے بعد سیلاب ہی سیلاب اس لیے سرمایہ مزدور کی صحت اور زندگی سے بے پروا ہوتا ہے تاوقتیکہ سماج اس کو اس کے برعکس عمل کرنے پر مجبور نہ کر دے۔ اور بحیثیت مجموعی، مزدور کے بارے میں یہ لاپروائی انفرادی طور پر کسی سرمایہ دار کی نیکی یا بدی پر منحصر نہیں ہوتی۔ آزادانہ مقابلہ بازی انفرادی طور پر ہر سرمایہ دار پر خارجی جبری قوانین کی شکل میں سرمایہ دارانہ پیداوار کے طبعی قوانین مسلط کر دیتی ہے۔'' (سرمایہ، صفحہ 257)

یومِ کار کا معمول مقرر کیا جانا مالک اور مزدور کے درمیان کئی صدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اور اس جدوجہد میں دو مخالف دھاروں کا مشاہدہ کرنا دلچسپ ہے۔ پہلے پہل قوانین کا مقصد مزدوروں کو زیادہ گھنٹے کام کرنے کے لئے مجبور کرنا ہے؛ مزدوروں کے پہلے قانون (ایڈورڈ سوئم

کے تیسویں سال جلوس 1349ء) سے اٹھارویں صدی تک حکمراں طبقوں کو امکانی محنت کی پوری مقدار مزدور سے وصول کر لینے میں کبھی بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن بھاپ اور جدید مشینوں کے چلن سے پانسہ ہی پلٹ گیا۔

عورتوں اور بچوں کی محنت کے رواج نے کام کرنے کے گھنٹوں کی تمام روایتی حدیں اس قدر تیزی سے توڑ ڈالیں کہ انیسویں صدی کا آغاز حد سے زیادہ کام کرنے کے ایک ایسے نظام سے ہوا جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی اور جس نے جلدی ہی یعنی 1803ء میں، قانون ساز ادارے کو مجبور کر دیا کہ کام کرنے کے گھنٹے محدود کرنے کا قانون بنائے۔ جناب مارکس فیکٹری کے انگریزی قوانین کی تاریخ کا پورا حال، 1867ء کے ورکشاپ قانون تک پیش کرتے اور اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں:

(1) مشینری اور بھاپ حد سے زیادہ کام لینے کا باعث ہوتے ہیں، اولاً صنعت کی ان شاخوں میں جہاں ان کو استعمال میں لایا جاتا ہے، اس لیے قانونی پابندیاں پہلے ان شاخوں پر ہی عائد کی جاتی ہیں؛ لیکن بعد میں ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حد سے زیادہ کام لینے کا یہ نظام قریب قریب تمام پیشوں میں پھیل گیا ہے، وہاں بھی جہاں مشینیں استعمال نہیں کی جاتیں یا جہاں پیداوار کے انتہائی قدیم طریقے بدستور موجود ہیں۔ (بچوں کی ملازمت کے متعلق کمیشن کی رپورٹیں ملاحظہ ہوں)

(2) عورتوں اور بچوں کی محنت فیکٹریوں میں جاری ہونے سے سرمائے کی دست درازیوں سے اس مزدور کی قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے جو انفرادی طور پر ''آزاد'' ہوتا ہے اور اس کو بلا شرط سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے۔ اس طرح اس کو اجتماعی مزاحمت کا سہارا لینا پڑتا ہے: طبقے کے خلاف طبقے کی، اجتماعی کام گاروں کی اجتماعی سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔

اب اگر ہم پیچھے چل کر اس لمحے پر غور کریں جبکہ ہم نے مزدور کو سرمایہ دار سے معاہدہ کرتے ہوئے ''آزاد'' اور ''مساوی'' فرض کیا تھا تو ہم دیکھتے ہیں کہ پیداوار کے عمل میں بہت ساری چیزیں واضح طور پر تبدیل ہو گئی ہیں۔ وہ معاہدہ، مزدور کی جانب سے، ایک آزاد معاہدہ نہیں ہے۔ کام کرنے کی اپنی طاقت روزانہ جتنی دیر کے لیے فروخت کرنے کو مزدور آزاد ہوتا ہے، وہ وہی وقت ہے جس کے دوران وہ اسے فروخت کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اور مزدوروں کی، بحیثیت انبوہ، محض مخالفت ہی وہ قانون عامہ منظور کرانے پر مجبور کرتی ہے جو انہیں اپنے آپ کو، اپنے بچوں

کو ''آزاد'' معاہدے کے ذریعے موت کے منہ میں، غلامی میں جانے کے لیے فروخت کر دینے سے باز رکھے۔ ''عدم مغائر حقوق انسانی، کی شاندار فہرست کی جگہ اب اس کے پاس فیکٹری قانون کے واجبی منشور اعظم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔'' (سرمایہ، صفحہ 286)

اس کے بعد ہمیں قدر زائد کی شرح اور پیدا ہونے والی قدر زائد کی کل مقدار سے اس کے تعلق کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس تحقیقات میں جیسا کہ ہم اب تک کرتے آئے ہیں قوتِ محن کی قدر کو ایک معین مقدار مستقلہ مان لیتے ہیں۔

اس مفروضے کے تحت قدر زائد کی شرح، ساتھ ہی ساتھ، اس مقدار کو بھی متعین کرتی ہے جو کوئی ایک مزدور کسی معینہ مدت میں سرمایہ دار کو فراہم کرتا ہے۔ اگر ہماری قوت محنت کی قدر 3 شلنگ یومیہ ہو جو چھ گھنٹے کی محنت کو ظاہر کرتی ہو، اور قدر زائد کی شرح 100 فیصدی ہو تو 3 شلنگ کا تغیر پذیر سرمایہ روزانہ 3 شلنگ قدر زائد پیدا کرتا ہے، یا محنت کش ہر روز چھ گھنٹے کی زائد محنت فراہم کرتا ہے۔

اگر تغیر پذیر سرمایہ روپے کی بُنتر میں اس پوری قوت محن کا اظہار کر رہا ہو جو کسی سرمایہ دار نے بیک وقت کام میں لگائی ہوتی ہے، تو اس صورت میں قوت محن کی پیدا کی ہوئی قدر زائد کا کل مجموعہ اس تغیر پذیر سرمائے کو قدر زائد کی شرح سے ضرب دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس کا تعین بیک وقت کام پر لگائی ہوئی محنت کی قوتوں کی تعداد اور استحصال کے درجے کے درمیان تناسب سے ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی عنصر گھٹ بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ ایک میں کمی دوسرے میں زیادتی سے پوری کی جا سکتی ہے۔ تغیر پذیر سرمایہ جو 100 مزدوروں کو ملازم رکھنے کے لیے مقصود ہو جن کی قدر زائد کی شرح 50 فیصدی ہے (مثلاً تین گھنٹے یومیہ زائد محنت) تو وہ اس سے زیادہ قدر زائد پیدا نہیں کرے گا جتنی کہ اس کا نصف غیر مستقل سرمایہ جو 50 مزدوروں کو ملازم رکھنے کے لیے استعمال کیا جائے جن کی قدر زائد کی شرح 100 فیصدی ہو (مثلاً چھ گھنٹے یومیہ زائد محنت)۔ اس طرح بعض صورت حالات میں اور بعض حدود کے اندر، سرمائے کی رسائی میں محنت کی مقدار مزدوروں کی اصل تعداد سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔

لیکن قدر زائد کی شرح میں اضافہ کر کے اس میں اس اضافے کی ایک قطعی حد بھی ہوتی ہے۔ محنت کی قدر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس کا اظہار خواہ دو گھنٹے کی ضروری محنت سے ہوتا ہو یا دس

گھنٹے کی، کوئی بھی مزدور مسلسل روزانہ جو کام کرے گا اس کی مجموعی قدر اس قدر کے برابر ہرگز نہیں ہوگی جو 24 گھنٹے کی محنت کو ظاہر کرے۔ قدر زائد کی مساوی مقداریں حاصل کرنے کی غرض سے تغیر پذیر سرمائے کی جگہ صرف اس حد کے اندر ہی کام کے اوقات بڑھانے کو دی جا سکتی ہے۔ اب یہاں سے سرمائے کے دو متضاد رجحانوں سے پیدا ہونے والے مختلف مظاہر کی تشریح میں یہ ایک اہم عنصر ہوا کرے گا: (1) کام پر لگائے ہوئے مزدوروں کی تعداد یعنی تغیر پذیر سرمائے کی مقدار گھٹانا اور (2) پھر بھی زائد محنت کی جتنی ممکن ہو سکے اتنی زیادہ مقدار پیدا کرنا۔

مزید برآں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے: ''محنت کی قدر اگر طے شدہ ہو اور قدر زائد کی شرح برابر ہو، تو دو مختلف سرمایوں سے پیدا کی ہوئی قدر اور قدر زائد کی مقداریں ان میں شامل تغیر پذیر سرمائے کی مقداروں کے براہ راست تناسب میں ہوتی ہیں۔۔۔ یہ قانون اس سارے تجربے کی قطعی تردید کر دیتا ہے جو محض ظاہری حقائق پر مبنی ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کپاس کی کتائی کرنے والا جو نسبتاً زیادہ بڑے بقا پذیر اور نسبتاً زیادہ چھوٹے تغیر پذیر سرمائے سے کام کرتا ہے اس سبب سے نانبائی کی بہ نسبت تھوڑے تناسب میں نفع نہیں حاصل کرتا ہے جو کہ بقا پذیر نسبتاً زیادہ لگاتا ہے۔ اس ظاہری تضاد کو حل کرنے کے لیے بیچ کی بہت ساری کڑیاں درکار ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ابتدائی الجبرے سے شروع کرتے وقت یہ سمجھنے کے لیے کہ صفر: صفر کو کسی اصل مقدار میں بھی ظاہر کیا جا سکتا ہے، بہت ساری بیچ کی کڑیاں چاہیے ہوتی ہیں۔'' (سرمایہ، صفحہ 290)

کسی خاص ملک کے لیے اور کام کرنے کے دن کے ایک مقرر عرصے کے لیے قدر زائد میں اضافہ صرف مزدوروں کی تعداد میں اضافہ کر کے ہی یعنی آبادی میں اضافہ کر کے کیا جا سکتا ہے؛ یہ اضافہ اس ملک کے اجتماعی سرمائے کے ذریعے قدر زائد کی پیداوار کے لیے ایک عددی حد کی تشکیل کر دیتا ہے۔ دوسری طرف اگر مزدوروں کی تعداد مقرر کر دی جائے تو اس حد کا تعین کام کرنے کے دن کا عرصہ امکانی حد تک طویل کر دینے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد دیکھنے میں یہ آئے گا کہ یہ قانون قدر زائد کی صرف اس بُنتر پر ہی صادق آتا ہے جس کا ابھی تک تجزیہ کیا گیا ہے۔

اپنی تحقیق کے اس مرحلے پر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ روپے کی ہر مقدار سرمائے میں تبدیل ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی؛ یہ کہ اس کی ایک انتہائی کم از کم مقدار ہوتی ہے: قوت محنت کی ایک اکائی کی اور اس کو جاری رکھنے کے لیے ضروری محنت کے ذرائع کی ایک اکائی کی لاگت۔ فرض

کیجئے کہ قدر زائد کی شرح 50 فیصدی ہے تو ہمارے نو زائیدہ سرمایہ دار کو اس قابل ہونا ہوگا کہ دو کم گار لگائے، تا کہ وہ اسی طرح زندگی بسر کر سکے جیسے کہ کوئی کمگار بسر کرتا ہے۔ لیکن اس طرح سے وہ کچھ بچا نہیں پائے گا؛ اور سرمایہ دارانہ پیداوار کا مقصد صرف محفوظ رکھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ دولت میں بنیادی طور سے اضافہ کرنا ہوتا ہے۔

''ایک عام مزدور جس طرح رہتا ہے اس سے دگنی اچھی طرح زندگی بسر کرنے اور جو قدر زائد پیدا ہوئی اس میں سے آدھی کو پھر سے سرمائے میں تبدیل کرنے کے لیے اس کو اس قابل ہونا چاہئے کہ آٹھ محنت کش لگا سکے۔ اپنے کامگاروں کے ساتھ ساتھ کام کا اپنا حصہ بھی وہ یقیناً لے سکتا ہے لیکن پھر بھی وہ ''چھوٹا موٹا مالک'' ہی رہے گا، سرمایہ دار اور مزدور کے بیچ کی کوئی پیوندی چیز۔ اب، سرمایہ دارانہ پیداوار کی ایک خاص حد تک نشوونما اس بات کو لازم کر دیتی ہے کہ سرمایہ دار اپنا سارا وقت سرمایہ دار کے بطور گزارے، تا کہ وہ دوسرے لوگوں کی محنت کی تحصیل و تنظیم اور اِس (سرمائے) کی مصنوعات فروخت کر سکے۔

قرون وسطیٰ کی پابند ہم پیشہ انجمنوں (گلڈوں) نے چھوٹے سے کاری گر کو ایک سرمایہ دار میں تبدیل ہو جانے سے روکنے کی اس طرح کوشش کی تھی کہ اس کو زیادہ سے زیادہ جتنے کامگاروں کو ملازم رکھنے کی اجازت دی گئی ان کی تعداد بہت کم مقرر کی گئی تھی۔ روپے یا اشیاء کا مالک صرف اسی وقت ایک حقیقی سرمایہ دار میں تبدیل ہو سکتا ہے جبکہ وہ پیداوار کے اغراض و مقاصد کے لیے کم از کم رقم اس سے کہیں زیادہ پیشگی پیش کر سکتا ہو جو قرون وسطیٰ کی اس زیادہ سے زیادہ رقم سے بڑی ہو۔ یہاں فطرتی علوم کی طرح ہی، ہیگل کے دریافت کردہ قانون کی صحت ثابت ہو جاتی ہے کہ ایک خاص مقام پر محض مقداری تبدیلیاں معیاری فرق کی دلالت کرتی ہیں۔'' (سرمایہ، صفحہ 292)

روپے یا اشیاء کے کسی مالک کو سرمایہ دار میں تبدیل کرنے کے لیے قدر کی کم از کم جس مقدار کی ضرورت ہوتی ہے وہ سرمایہ دارانہ پیداوار کے ارتقا کے مختلف مرحلوں کے لیے الگ الگ ہوتی ہے، اور ارتقاء کے معین مرحلے پر صنعت کی مختلف شاخوں کے لیے بھی یہ الگ الگ ہوتی ہے۔

پیداوار کے جس عمل کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے اس کے دوران میں سرمایہ دار اور مزدور کا تعلق قابل لحاظ حد تک بدل گیا ہے۔ ''سب سے پہلے تو سرمایہ محنت کا سردار بن گیا ہے یعنی خود مزدور کے اوپر سالار بن گیا ہے۔ مجسم سرمایہ یعنی سرمایہ دار اس بات کا دھیان رکھتا ہے کہ مزدور اپنا

کام باقاعدگی سے، احتیاط سے اور مطلوبہ درجے کی شدت سے انجام دے۔

اس کے علاوہ سرمایہ ایک لازمی تعلق میں بدل گیا ہے جو مزدور طبقے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خود اپنی ضرورتوں کے تنگ حلقے کے لیے مطلوبہ محنت کی نسبت زیادہ محنت انجام دے۔ اور دوسرے لوگوں کی انڈسٹری پیدا کرانے والے کی حیثیت سے، زائد محنت کو اینٹھنے والے اور قوت محنت کا استحصال کرنے والے کی حیثیت سے سرمایہ قوت، بے جگری اور کارگزاری کے اعتبار سے پیداوار کے سابقہ تمام نظاموں سے کہیں زیادہ تجاوز کر جاتا ہے، حالانکہ وہ براہ راست جبری محنت پر مبنی تھے۔

''سرمایہ شروع میں ایسے ٹیکنالوجیکل حالات کے تحت محنت کی کمان سنبھالتا ہے جنہیں وہ تواریخی اعتبار سے قائم شدہ پاتا ہے۔ اس لئے یہ طبعِ پیداوار کو یکبارگی تبدیل نہیں کر پاتا۔ قدر زائد کی پیداوار، اس شکل میں جس کا اب تک تجزیہ کیا جا چکا ہے، کہنے کا مطلب یہ کہ محض کام کرنے کے دن کا عرصہ طویل کر کے، خود طبعِ پیداوار میں ہر تبدیلی سے آزاد رہ کر ظہور میں آئی۔ قدیمی نانبائی کے پیشے میں وہ اتنی ہی کارگزار تھی جتنی کہ کپاس کی جدید کتائی میں۔

''پیداوار کے عمل میں جس کو محنت کا محض ایک عمل تصور کیا جاتا ہے، مزدور اور اس کے ذرائع پیداوار کے درمیان تعلق محض محنت اور سرمائے کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ محنت اور محض آلات کا اور پیداواری عمل کے خام مال کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ مثلاً چمڑا رنگنے کے کارخانے میں وہ کھال کو مکسوبِ محن سمجھتا ہے۔ وہ سرمایہ دار کی کھال نہیں رنگتا۔ لیکن جیسے ہی ہم پیداوار کے عمل کو قدر زائد کی تخلیق کرنے والے عمل کے بطور دیکھنے لگ جاتے ہیں، معاملہ ہی بدل جاتا ہے۔ ذرائع پیداوار فوراً دوسرے لوگوں کی محنت چوسنے والے ذرائع میں بدل جاتے ہیں۔ اب محنت کش ذرائع پیداوار کو کام میں نہیں لایا کرتے بلکہ ذرائع پیداوار محنت کش کو کام میں لاتے ہیں۔

اپنے پیداواری عمل کے مادی عناصر کی حیثیت سے وہ خود ان کو صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے عمل حیات کے خمیر کی طرح اسے وہ صرف کرتے ہیں؛ اور سرمائے کا عمل حیات اس کے علاوہ اور کسی چیز پر مشتمل نہیں ہوتا کہ قدر سے قدر حاصل کرنے میں ترقی پذیر حرکت میں مصروف رہے۔ بھٹیاں اور کارگاہیں، جنہیں رات کے وقت بیکار، محنت جذب کئے بغیر کھڑے رہنا پڑتا ہے، سرمایہ دار کے لیے خالص خسارہ کا باعث ہوتی ہیں۔ اس لیے مزدوروں سے رات کے کام کے اختیار کی تشکیل بھٹیاں اور کارگاہیں کرتی ہیں۔ (''بچوں کی ملازمت کے متعلق کمیشن کی رپورٹیں

ملاحظہ فرمایئے، چوتھی رپورٹ، 1845ء"۔ صفحات 79 سے 85 تک)۔ روپے کی ذرائع پیداوار میں محض تبدیلی ہی موخرالذکر کو دوسرے لوگوں کی محنت اور زائد محنت پر قانون اور جبری اختیارات میں بدل دیتی ہے۔" (سرمایہ، صفحہ 94-293)

لیکن قدر زائد کی ایک بُنتر اور بھی ہے۔ کام کرنے کے دن کی انتہائی حد تک پہنچ چکنے کے بعد زائد محنت میں اضافہ کرنے کے لیے سرمایہ داروں کے پاس ایک اور ذریعہ باقی رہتا ہے: محنت کی افزودہ کاری بڑھا کر، اس طرح سے محنت کی قدر میں کمی کر کے، اور اس طرح ضروری محنت کا عرصہ مختصر کر کے۔ اس شکل کی قدر زائد پر ایک دوسرے مضمون میں غور کیا جائے گا۔

سیموئیل مور (6)

نوٹس:

(1) جون 1867ء میں "فورٹنائٹلی ریویو" کے لیے لکھا گیا، غیر مطبوعہ رہا۔ ایڈیٹر

(2) یہاں قدر جہاں کہیں بھی صفت کے بغیر استعمال ہوئی ہے اس کی ہمیشہ مراد تبادلے کی قدر ہے

(3) مارکس کے "سرمایہ" میں قدر (ورٹ)۔ ایڈیٹر

(4) یہاں ہمیں دھیان رکھنا چاہئے قدر زائد کی منافع سے قطعی کوئی مشابہت نہیں ہوتی

(5) وادیٔ ڈینوب کی مملکتوں کا پہلا آئین۔ ایڈیٹر

(6) انگلستان میں اشاعت ہونے میں سہولت کے پیش نظر اینگلز کے دوست مور نے اس تبصرے پر دستخط کیے تھے۔ ایڈیٹر

2۔ ''سرمایہ'' کا خاکہ

کارل مارکس ''سرمایہ'' جلد اول، پہلا حصہ:

سرمایہ دارانہ پیداوار کا عمل

(The Process of Capitalist Production)

پہلا باب

اشیاءاور روپیہ

(Commodities & Money)

1۔ شے بطور خود(Commodities as such)

ان سماجوں کی دولت جہاں سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کا غلبہ ہوتا ہے، اشیاء پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔ شے(Commodity)وہ چیز ہوتی ہے جس کی قدر افادہ(Use Value)ہو؛ موخر الذکر کا وجود سماج کی تمام صورتوں میں ہوا کرتا ہے، لیکن سرمایہ دارانہ سماج میں، قدر افادہ، اس کے علاوہ، قدر مبادلہ(Exchange Value) کا خزانہ بھی ہوا کرتی ہے۔ قدرِ مبادلہ تیسری شے سے موازنہ کے وجود کو جس سے اس کو ناپا جاتا ہے پہلے ہی سے مان لیتی ہے: محنت، تبادلے کی قدروں کا مشترک سماجی جوہر، ٹھیک ٹھیک کہیں تو، سماجی اعتبار سے ضروری وقت محن، جو مادی شکل میں اس میں شامل ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی شے دورُخی ہوا کرتی ہے، یعنی قدر افادہ اور قدر مبادلہ، ٹھیک اسی طرح جو محنت اس میں شامل ہوتی ہے اس کا تعین بھی دورُخا ہوتا ہے: ایک طرف تو معین پیداواری سرگرمی، بنائی کی محنت، سلائی کی محنت، وغیرہ۔ ''کارآمد محنت'' کی حیثیت سے؛ دوسری طرف، انسانی قوتِ محن کا سادہ استعمال، مجرد (عام) محنت۔ اول الذکر قدرِ افادہ پیدا کرتی ہے، موخر الذکر قدر مبادلہ؛ صرف موخر الذکر ہی مقداری اعتبار سے قابل موازنہ ہوتی ہے(ہنر یافتہ غیر ہنر یافتہ کے درمیان، کثیر پہلو اور سادہ محنت کے درمیان فرق سے اس کی تصدیق ہوتی ہے)۔

چنانچہ قدر مبادلہ کی ماہیت تجریدی محنت ہے۔ اور اس کی مقدار تجریدی محنت کے وقت کی پیائش ہوتی ہے۔ اب قدر مبادلہ کی بُنتر پر غور کریں۔

(1) x شے a = y شے b کسی شے کی قدر کا دوسری کی قدر استعمال میں اظہار اس کی متعلقاتی قدر(Relative Value) ہے۔ دو اشیاء کی برابری کا اظہار متعلقاتی قدر کی سادہ بُنتر ہوتی ہے۔ اوپر والی مساوات میں y شے b مساوی القدر ہے۔ اس میں x شے a اپنی فطرتی بُنتر

(Natural Form) کے برعکس قدری بُنتر (Value Form) اختیار کر لیتی ہے، جبکہ y شے b اپنی فطرتی بُنتر میں بھی ساتھ ہی ساتھ براہ راست قابل تبادلہ ہونے کے وصف کی حامل ہے۔ کسی شے کی قدر افادہ پر قدر مبادلہ کی مہر معین تاریخی تعلقات ثبت کرتے ہیں۔ چنانچہ شے اپنی قدر مبادلہ خود اپنی قدر استعمال کی بُنتر میں ظاہر نہیں کر سکتی بلکہ صرف دوسری شے کی قدر استعمال کی بُنتر میں کر سکتی ہے۔ محنت کی پیدا کی ہوئی دو ٹھوس اشیاء کی مساوات میں ہی اس ٹھوس محنت کی صفت جو کہ دونوں میں شامل ہوتی ہے، مجرد محنتِ انسانی کی حیثیت سے دکھائی دیتی ہے؛ یعنی کسی شے کو تجریدی محن کی جسمانیت کی نری بُنتر کے بطور اُس کے اندر مجتمع ٹھوس محن سے مساوی نہیں ٹھہرایا جا سکتا، بلکہ اس کو دوسری قسم کی اشیاء میں مجتمع ٹھوس محنت سے ہی مساوی ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

x شے a=y شے b کی مساوات سے لازمی طور پر مراد یہ ہے کہ x شے کا اظہار دوسری اشیاء میں بھی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ:

(2) x شے a=y شے b=x شے c=u شے d=u شے e، وغیرہ وغیرہ۔ یہ قدر کی تصریحی متعلقاتی بُنتر (Expanded Relative Form of Value) ہے۔ یہاں x شے a کا تعلق صرف ایک ہی نہیں بلکہ اس حیثیت میں تمام اشیاء کے ساتھ ہے کہ یہ اِن میں ظاہر ہونے والی محنت کی اظہاری بُنتریں ہیں۔ لیکن اس کو سادہ طریقے سے پلٹ دیں تو

(3) متعلقاتی قدر کی معکوس دوسری بُنتر کا انداز یوں ہوتا ہے:

x شے a=y شے b

x شے a=y شے c

x شے a=u شے d

x شے a=t شے e

اور وغیرہ وغیرہ

یہاں اشیاء قدر کی عمومی متعلقاتی بُنتر (General Relative Form of Value) میں پیش کی گئی ہیں، جن میں ان سب کو اپنی قدر استعمال سے مجرد (Abstract) کر لیا گیا ہے اور مجرد محنت کی جسم بُنتر کی حیثیت سے x شے a کے برابر کر لیا گیا ہے؛ x شے a دوسری تمام اشیاء کے مساوی القدر کی عمومی بُنتر ہے؛ یہ ان کا یونیورسل مساوی القدر

(Universal Equivalent)؛اس میں استعمال شدہ محن اپنے اندر تجریدی محنت کو عمومی طور پر بیان کر رہا ہے۔اب، چونکہ

(4)اس سلسلے کی ہر ایک شے یونیورسل مساوی القدر کا کردار اپنا سکتی ہے،لیکن ایک وقت میں اُن میں سے صرف ایک یہ کر سکتی ہے، کیونکہ اگر تمام اشیاء یونیورسل مساوی القدر ہوں تو ان میں سے ہر ایک اپنی باری میں اوروں کو اس کردار سے مستثنیٰ کر دے گی۔

شکل 3 x شے a سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ دیگر اشیاء سے معروضی طور سے حاصل ہوتی ہے۔چنانچہ لازم ہے کہ کوئی خاص شے یہ کردار اختیار کر لے_ یہ کچھ وقت کے لئے تبدیل ہو سکتی ہے_ اور صرف اس طریقے سے ہی کوئی شے مکمل طور پر شے بن سکتی ہے۔یہ خاص شے،جس کی فطرتی بُنتر کے ساتھ اس کی عمومی مساوی القدر بُنتر ہم آہنگ ہو سکتی ہے،روپیہ ہے۔

شے کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کے تمام زمروں کی طرح یہ ذاتی تعلقات کو مادی لبادے میں ظاہر کرتی ہے۔ پیداوار کنندگان اپنی مصنوعات کو اشیاء کے بطور باہمی تعلق میں لاتے ہوئے اصل میں مختلف نوعیّتوں کے اپنے اپنے محن کو عمومی انسانی محنت کے بطور ایک دوسرے سے تعلق میں لاتے ہیں۔چیزوں کے اس ارتباط (Mediation) کے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکتے۔افراد کا تعلق اس طرح سے چیزوں کا تعلق نظر آتا ہے۔

ایسے سماج کے لیے جہاں اشیاء کی پیداوار رائج ہو وہاں،عیسائیت،خصوصاً پروٹیسٹنٹ ازم، موزوں مذہب ہے۔

2۔شے کے تبادلے کا عمل

شے ثابت کرتی ہے کہ وہ شے برائے تبادلہ ہے۔دو اشیاء کے مالکوں کو اپنی اپنی اشیاء کے تبادلے پر رضامند ہونا اور اس لیے ایک دوسرے کو نجی مالکان تسلیم کرنا ہوتا ہے۔یہ قانونی تعلق،جو اپنی بُنتر میں معاہدہ ہے،محض ارادوں کا تعلق ہے جو معاشی تعلق کا عکس ہوتا ہے۔اس کا مافیہہ خود معاشی تعلق سے حاصل ہوتا ہے۔(سرمایہ،صفحہ 45)

کوئی شے اپنے مالک کے لئے غیر قدرِ افادہ ہے اور دوسرے کے لئے قدرِ افادہ ہے۔اسی لیے تبادلے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔لیکن شے کا ہر مالک تبادلے میں استعمال کی مخصوص

قدریں حاصل کرنا چاہتا ہے جن کی اس کو ضرورت ہو۔اس حد تک تبادلہ ایک انفرادی عمل ہوا کرتا ہے۔دوسری طرف وہ اپنی شے کا قدر میں اظہار چاہتا ہے، یعنی کسی بھی شے میں، خواہ دوسری شے کے مالک کے لئے اُس کی شے کی کوئی افادہ قدر رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔اس حد تک تبادلہ اس کے لئے ایک عمومی سماجی عمل ہوتا ہے۔لیکن ایک ہی عمل تمام مالکانِ اشیاء کے لئے بیک وقت انفرادی عمل اور عمومی سماجی عمل نہیں ہوسکتا۔شے کا ہر مالک خود اپنی شے کو یونیورسل مساوی القدر تصور کرتا ہے، جبکہ دوسری تمام اشیاء خود اس کی اپنی شے کے لئے متعدد مساوی القدر ہوتے ہیں۔چونکہ اشیاء کے تمام مالکان ایسا ہی کرتے ہیں اس لیے کوئی شے یونیورسل مساوی القدر نہیں ہوتی، اور اس لیے کوئی بھی شے قدر کی عمومی متعلقاتی بُنتر کی حامل نہیں ہوتی جس میں ان کو قدروں کی حیثیت سے مساوی کیا جاتا اور قدر جسمانیت کی حیثیت سے ان کا موازنہ کیا جاتا۔اس لیے وہ ایک دوسرے کے مقابل اشیاء کی حیثیت سے نہیں بلکہ مصنوعات کی حیثیت سے آتی ہیں۔(صفحہ 47)

اشیاء کو اقدار یا اشیاء کی حیثیت سے باہم موازن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی دوسری شے کو یونیورسل مساوی القدر کے بطور تسلیم کرتے ہوئے اُنہیں پہلے اُس کے موازن ٹھہرایا جائے۔لیکن صرف سماجی عمل ہی کسی خاص شے کو یونیورسل مساوی القدر (روپیہ) بنا سکتا ہے۔

ایک شے کا یہ طبعی تضاد_ کہ وہ بیک وقت قدرِ افادہ اور قدرِ مبادلہ ہے، یعنی ایک طرف وہ نجی افادہ محن کی پیداوار ہے اور دوسری طرف وہ تجریدی انسانی محنت کی سماجی تجسیم ہے_ یہ تضاد اس وقت تک حل نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس کے نتیجے میں شے اور روپے کی شکل میں خود شے کی تضریب نہیں ہوجاتی۔(صفحہ 48)

چونکہ دوسری تمام اشیاء روپے کی محض انفرادی حیثیت ہی میں مساوی القدر ہیں، اور روپیہ ان کا یونیورسل مساوی القدر ہوتا ہے، اس لیے روپے سے ان کا وہی تعلق ہوتا ہے جو مخصوص اشیاء کا یونیورسل شے سے ہے (صفحہ 51)۔تبادلے کا عمل شے کو روپے میں تبدیل کرتے ہوئے، اس کی قدر نہیں بلکہ اس کی قدری بُنتر عطا کرتا ہے (صفحہ 51)۔استصنام (Fetishism) (چیزوں کی فوق الفطری قوت پر اعتقاد): کوئی شے اس وجہ سے روپے میں نہیں بدلتی کہ دوسری تمام اشیاء اِس میں اپنی قدر کا اظہار کر رہی ہیں، بلکہ اس کے برعکس کہ وہ اِس وجہ سے اِس میں اپنی قدر ظاہر کرتی ہیں کہ یہ روپیہ ہے۔

3۔روپیہ یا اشیاء کی گردش

ا۔قدروں کا پیمانہ

(فرض کیجئے سونا=روپیہ)

روپیہ،قدر کے پیمانے کی حیثیت سے اُس قدر کے پیمانے کی معروضی بُنتر ہے جو کہ اشیاء میں مضمر ہے،یعنی وقتِ محن۔اشیاء کی قدروں کا روپے میں سادہ متعلقاتی اظہار:

x شے a=y روپیہ،ان کی قیمت ہوتی ہے۔(سرمایہ،صفحہ 55)

کسی شے کی قیمت ،یعنی اِس کی روپے کی بُنتر (Money Form)،فرضی روپے (Imaginary Money) میں ظاہر کی جاتی ہے؛اس لیے روپیہ صرف خیالی اعتبار سے قدروں کا پیمانہ ہوتا ہے۔(سرمایہ،صفحہ 57)

قدر سے قیمت میں ایک بار جب تبدیلی رونما ہو جاتی ہے تو تکنیکی اعتبار سے لازم ہو جاتا ہے کہ قدروں کے پیمانے کو مزید ترقی دی جائے، قیمت کے معیار کی شکل میں،یعنی سونے کی ایک مقدار مقرر کر دی جاتی ہے جس کے ذریعے سونے کی مختلف مقداروں کی پیائش کی جاتی ہے۔یہ قدروں کے پیمانے سے قطعی مختلف ہوتا ہے،جس کا خود اپنا انحصار سونے کی قدر پر ہوتا ہے، جبکہ موخرالذکر قیمتوں کے معیار کے لیے غیر اہم ہوتا ہے۔(سرمایہ،صفحہ 59)

قیمتوں کا اظہار جب سونے کے حسابی ناموں میں ہونے لگتا ہے روپیہ تب حسابی روپے (Money of Account) کا کام دینے لگ جاتا ہے۔

اگر قیمت، کسی شے کی قدر کے حجم کے مظہر کی حیثیت میں روپے سے اس کے تبادلے کے تناسب کی مظہر ہے،تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ روپے سے اس کے تبادلے کا مظہر لازمی طور پر اس کی قدر کا مظہر ہے۔یہ فرض کرتے ہوئے کہ صورت حالات اس بات کی اجازت دیتی یا مجبور کرتی ہے کہ کوئی شے اپنی قدر سے زیادہ یا کم پر فروخت ہو تو فروخت کی یہ قیمتیں اس کی قدر سے مطابقت نہیں رکھتیں،مگر پھر بھی وہ شے کی قیمتیں ہوتی ہیں کیونکہ وہ:

(1) اس کی قدر کی بُنتر ،روپے اور (2) روپے سے اس کے تبادلے کے تناسب کا مظہر ہوتی ہیں۔

قیمت اور قدر کے حجم کے درمیان مقداری عدم مطابقت کا امکان اس لیے خود قیمت کی بُنتر (Price Form) میں موجود ہوتا ہے۔ یہ اس بُنتر کی کوئی خامی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس اس طبعِ پیداوار کے لیے اس کو مناسب بنا دیتا ہے جس میں یہ قاعدہ اپنے آپ کو بے قاعدگی کی اوسطوں کے اندھے قانون کی طرح ہی مسلط کر سکتا ہے۔ مگر قیمت کی بُنتر ایک معیاری تضاد کو بھی پناہ دے سکتی ہے جس کے نتیجے میں قیمت قدر کے اظہار کی بُنتر قطعی نہیں رہ جاتی۔۔۔ ضمیر، غیرت، وغیرہ۔۔۔ اپنی قیمتوں کے ذریعے شے کی بُنتر اختیار کر سکتے ہیں۔ (سرمایہ، صفحہ 61)

روپے میں قدروں کی پیمائش، قیمت کی بُنتر، بُعد (Alienation) کی ضرورت کی دلالت کرتی ہے، قیمتوں کے خیالی تعین سے حقیقی (The Medium of Circulation) مراد ہوتا ہے۔ اس لیے گردش (Circulation) عمل میں آجاتی ہے۔

ب۔ گردش کا وسیلہ

i۔ اشیاء کی صوری تبدیلی (The Metamorphosis of Commodities)

سادہ بُنتر: C-M-C۔ اس کا مادی مافیہہ = C-C۔ قدر تبادلہ مغائر (Alienate) کرتے ہوئے قدرِ افادہ حاصل کر لی گئی ہے۔

(ا) پہلا دور: C-M = فروخت، جس کے لیے دو افراد درکار ہوتے ہیں، لہٰذا ناکامی کا امکان، یعنی قدر سے کم پر، یا یہاں تک کہ اگر شے کی سماجی قدر میں تبدیلی واقع ہو تو پیداوار کی لاگت سے بھی کم پر فروخت کا امکان ہوتا ہے۔

''محنت کی تقسیم محن کی پیداوار کو شے میں بدل دیتی اور اس طرح روپے میں اس کی مزید تبدیلی کو لازمی کر دیتی ہے۔''

ساتھ ہی یہ اِس ماہیتی صوری تبدیلی (Transubstantiation) کی تکمیل کو قطعی اتفاقیہ بنا دیتی ہے (صفحہ 67)۔ لیکن اگر اس مظہر کو اس کی خالص بُنتر میں لیں، تو C-M میں اس بات کو پہلے ہی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہے (بشرطیکہ وہ سونا پیدا کرنے والا نہ ہو) اس نے پہلے یہ روپیہ دوسری اشیاء کے تبادلے سے حاصل کیا تھا؛ چنانچہ خریدار کے لیے یہ محض اس کے برعکس M-C ہی نہیں ہے بلکہ اس میں پہلے سے تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اس نے اس سے

پہلے بھی کوئی فروخت کی ہوگی وغیرہ، جس کے نتیجے میں ہمارا سابقہ خرید وفروخت کے ایک لامتناہی سلسلے سے پڑتا ہے۔

(ب) یہی سب کچھ دوسرے دور M-C میں بھی ہوتا ہے یعنی خریداری میں جو کہ ساتھ ہی ساتھ دوسرے فریق کے لیے فروخت کا دور ہوتا ہے۔

(ج) چنانچہ پورا عمل خرید اور فروخت کا ایک چکر ہوتا ہے۔ اشیاء کی گردش۔ پیداوار کے براہ راست تبادلے سے یہ قطعی مختلف چیز ہوتی ہے: اول تو، مصنوعات کے براہِ راست مبادلے کے انفرادی اور مقامی بندھن توڑ دیئے جاتے ہیں اور محنت انسانی کا استحالہ ممکن ہو جاتا ہے؛ دوسری طرف، یہاں یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ پورے عمل کا انحصار سماجی تعلقات پر ہے جو اپنی نمو میں بلا ارادہ اور عاملوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ (صفحہ 72) سادہ تبادلہ تو تبادلے کے ایک ہی عمل میں مٹا دیا گیا تھا جہاں ہر فرد قدر غیر افادہ کا تبادلہ افادے کی قدر سے کرتا ہے، گردش کا سلسلہ لامتناہی جاری رہتا ہے (صفحہ 73)۔

یہاں ایک غلط معاشیاتی عقیدہ ہے کہ: اشیاء کی گردش میں خرید وفروخت کا ایک لازمی توازن رہتا ہے، کیونکہ ہر خریداری ایک فروخت بھی ہوتی ہے اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جس کے معنی یہ کہنے کے ہیں کہ ہر فروخت کرنے والا منڈی میں اپنے ساتھ خریدار کو بھی لاتا ہے۔

1۔ خرید اور فروخت ایک طرف تو دو قطبین مخالف افراد کے باہم ہم آہنگ عمل کا مظہر ہیں (قطبین کسی گُرے کے محور کے دو سروں کو کہتے ہیں)؛ دوسری طرف، وہ ایک ہی شخص کی دو قطبینی مخالف کارروائیوں کا مظہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ خرید اور فروخت کی ہم آہنگی میں یہ مفروضہ مضمر ہوتا ہے کہ شے اس وقت تک بے کار ہوتی ہے جب تک کہ وہ فروخت نہ ہو اور دوسرے یہ کہ یہ صورت رونما ہو سکتی ہے۔

2۔ C-M بحیثیت جزوی عمل، اسی طرح سے ایک علیحدہ عمل بھی ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ روپیہ حاصل کرنے والا اس وقت کا انتخاب کر سکتا ہے جبکہ وہ اس روپے کو پھر سے شے میں تبدیل کر لیتا ہے۔ وہ انتظار کر سکتا ہے۔

خود مختار عوامل C-M اور M-C کی داخلی جُرت بیرونی طور پر اس کے برعکس سمت میں عمل پیرا ہوتی ہے، ٹھیک اس وجہ سے کہ یہ دونوں عوامل ایک دوسرے پر انحصار سے مبرا ہوئے ہیں؛ اور

جب یہ تابع عوامل خودمختاری کی ایک خاص حد تک پہنچ جاتے ہیں تو ان کی جڑت اپنے آپ کو ایک بحران کی شکل میں مسلط کر دیتی ہے۔ چنانچہ موخرالذکر کا امکان ہمیشہ ہی موجود رہتا ہے۔

اشیاء کی گردش میں بچولیا ہونے کے باعث روپیہ گردش کا وسیلہ (Medium of Circulation) ہوتا ہے۔

ii۔ روپے کی کرنسی

روپیہ وہ وسیلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے ہر ایک شے گردش میں آتی اور اس سے باہر جاتی ہے؛ وہ خود ہمیشہ اس میں رہتا ہے۔ اس لیے اگرچہ روپے کی گردش محض شے کی گردش اظہار ہے، اشیاء کی گردش روپے کی گردش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ روپیہ ہمیشہ گردش کے حلقے کے اندر رہتا ہے اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے: اس میں کتنا روپیہ موجود ہوتا ہے؟

گردش میں موجود روپے کی مقدار کا تعین اشیاء کی قیمتوں کے میزانِ کل سے ہوتا ہے (جبکہ قدرِ روپیہ وہی رہے) اور موخرالذکر کا گردش میں رہنے والی اشیاء کی مقدار سے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اشیاء کی یہ مقدار مقرر ہے تو گردش میں روپے کی مقدار اشیائے تجارت کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اب چونکہ ایک ہی سکہ یکے بعد دیگرے متعدد بار خرید و فروخت میں، ایک معینہ مدت کے اندر وسیلہ بنتا ہے اس لیے ایک خاص مدت کے وقفے کے لیے یہ مساوات بنتی ہے:

$$\frac{\text{اشیاء کی قیمتوں کا میزان کل}}{\text{روپے کے ایک سکے کی حرکت کی تعداد (Number of Moves)}} = \text{گردش کے وسیلے کی خدمت انجام دینے والے زر نقد کی مقدار}$$

چنانچہ کاغذی روپیہ طلائی روپے کی جگہ لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کو بھرپور گردش میں لایا جائے۔

چونکہ روپے کی کرنسی شے کی گردش کے عمل کی محض عکاس ہے، اس کی سرعت اشیاء کی بُنتر میں تبدیلی جبکہ اس کا ٹھہراؤ، فروخت سے خریداری کی علیحدگی، سماجی عمل میں ٹھہراؤ کی عکاسی کرتی

ہے۔اس ٹھہراؤ کی ابتداء کو، بلاشبہ،خود گردش سے نہیں دیکھا جاسکتا جو کہ صرف مظہر کو نگاہوں میں لاتی ہے۔ تنگ نظر لوگ اس کے ڈانڈے گردش کے وسیلے کی قلیل مقدار سے ملاتے ہیں۔(صفحہ 81)

اس لیے:1۔ اگر اشیاء کی قیمتیں یکساں رہیں تو، گردش کرتے ہوئے روپے کی مقدار اس وقت بڑھتی ہے جبکہ گردش کرتی ہوئی اشیائے تجارت کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے یا روپے کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے؛ اور اگر اس کے برعکس ہو تو گھٹتی ہے۔

2۔اشیاء کی قیمتوں میں عمومی اضافے کے ساتھ گردش میں روپے کی مقدار اس صورت میں یکساں رہتی ہے جبکہ اشیاء کی مقدار اسی نسبت سے گھٹ جاتی یا گردش کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

3۔اشیاء کی قیمتوں میں عام کمی واقع ہو تو 2 کا الٹ ہوتا ہے۔

عام طور پر خاصا یکساں اوسط ہوتا ہے جس میں بحرانوں کے نتیجے میں قابل لحاظ گریز (Deviations) قریب قریب مخصوص طور پر ظہور میں آتے ہیں۔

iii۔سکہ؛ قدر کی علامتیں (Coins; Symbols of Value)

قیمتوں کا معیار ریاست مقرر کرتی ہے، اسی طرح سونے کے کسی خاص ٹکڑے کی، یعنی سکے شباہت اور اس کا سکہ بنانے کا کام بھی۔ عالمی منڈی میں متعلقہ قومی لبادے پھر سے اتار دیے جاتے ہیں (یہاں حق شاہی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے) جس کے نتیجے میں سکے اور اشرفی میں فرق صرف بُٹر کا ہوتا ہے۔لیکن گردش کے دوران سکہ گھس جاتا ہے؛ گردش کے وسیلے کی حیثیت سے سونا قیمتوں کے معیار کی حیثیت کے سونے سے مختلف ہوتا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سکہ اپنی سرکاری ماہیت کی علامت کے بطور پکا ہو جاتا ہے۔

اس سے دھات کے روپے کی جگہ نشانیوں یا علامتوں کو دینے کے مضمر امکان پیدا ہوتے ہیں۔اس لیے:

1۔تانبے اور چاندی کی نشانیوں کے چھوٹے سکے بنائے جاتے ہیں، جنہیں اصلی سونے کے روپے کی جگہ مستقل طور پر قائم ہو جانے سے روکنے کے لیے اس مقدار کو محدود کر دیا جاتا ہے جس میں وہ زر قانونی ہوتے ہیں۔

ان میں دھات کی مقدار قطعی صوابدیدی طور پر بذریعہ قانون متعین کی جاتی ہے اور اس طرح سکے کی حیثیت سے ان کے وظائف قدر سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قطعی بے مایہ علامتوں تک کا اگلا قدم اٹھانا ممکن ہو جاتا ہے؛

2۔ کاغذی روپیہ یعنی ریاست کا جاری کردہ کاغذی روپیہ جس کی گردش جبری حیثیت رکھتی ہے۔ (کریڈٹ کے روپے کو یہاں ابھی زیر بحث نہ لایا جائے۔)

جہاں تک یہ کاغذی روپیہ سونے کے روپے کی جگہ واقعی گردش میں ہوتا ہے، وہ روپے کی گردش کے قوانین کے تابع ہوتا ہے۔ صرف وہی تناسب جس میں کاغذ سونے کی جگہ لے لیتا ہے خاص قانون کا موضوع ہو سکتا ہے جو یہ ہے: کہ زر کاغذی کا اجراء اس مقدار تک محدود رکھا جائے جس میں اس سونے کو جس کا وہ اظہار کرتا ہو، درحقیقت گردش میں ہونا چاہئے۔ گردش کے بھرپور ہونے کا درجہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے، لیکن ہر جگہ تجربہ اس کم از کم حد کو متعین کر دیتا ہے جس کے نیچے وہ کبھی نہیں جاتا۔ اس کم از کم کا اجراء کیا جا سکتا ہے۔ اگر کم از کم حد سے زیادہ کا اجراء ہوتا ہے تو ایک حصہ اس وقت فاضل ہو جاتا ہے جبکہ بھرپور ہونے کا درجہ کم از کم حد کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں جنس تجارت کی دنیا کے اندر زر کاغذی کی مجموعی مقدار اب بھی سونے کی اس مقدار کی نمائندگی کرتی ہے جو اس دنیا کے طبعی قوانین نے مقرر کی ہوئی ہوتی ہے اور اس لیے صرف وہی نمائندگی کے قابل ہوتی ہے۔ اس طرح اگر زر کاغذی کی مقدار جذب پذیر سونے کی مقدار کی دگنی کی نمائندگی کرتی ہے تو زر کاغذی کے ہر ٹکڑے کی موسومہ قدر گھٹ کر نصف رہ جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ سونا قیمتوں کے پیمانے کے اپنے وظائف کے اعتبار سے، اپنی قدر کے اعتبار سے بدل گیا ہو۔ (سرمایہ، صفحہ 89)

ج۔ روپیہ (Money)

i۔ جمع وست (Hoarding)

شے کی گردش کے انتہائی ابتدائی ارتقاء پر ہی یہ ضرورت اور پرجوش خواہش پیدا ہوتی ہے کہ C_M سے حاصل ہونے والی چیز یعنی روپے پر گرفت مضبوط کی جائے۔ مادے کی تبدیلی کی اس فعالیت سے، یہ بُتری تبدیلی اپنے آپ میں ایک مقصد بن جاتی ہے۔ روپیہ جتھے کی صورت میں

مرتکز ہو جاتا ہے۔ شے فروخت کرنے والا روپے کا اجماع کنندہ بن جاتا ہے۔ (سرمایہ، صفحہ 91)

اشیاء کی گردش کے شروع زمانوں میں اس شکل کا غلبہ تھا۔ ایشیا۔ اشیاء کی گردش کے مزید ارتقاء کے ساتھ اشیاء کے ہر پیداوار کنندہ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے لیے سماجی ضمانت، روپیہ، حاصل کرے۔ اس طرح ہر جگہ جمع وست ترویج پا گئی۔ شے کی گردش کا ارتقا روپے کی قوت میں اضافہ کرتا ہے، یعنی دولت کی ایسی سماجی متعلقاتی بُنتر جو استعمال کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔ (صفحہ 92) جمع وست کی طرف رجحان فطری طور پر لامحدود ہے۔ معیاری اعتبار سے یا اپنی بُنتر کے لحاظ سے روپیہ پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے، یعنی یہ مادی دولت کا ہمہ گیر نمائندہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ براہ راست کسی بھی شے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن مقداری اعتبار سے روپے کی ہر حقیقی رقم محدود ہوتی ہے اور اس لیے وسیلہ خریداری کی حیثیت سے اس کی تاثیر محدود ہے۔ یہ تضاد، سیسی فس (Sisyphus) کی طرح، بار بار اجماع کنندہ کو جمع وست کی لاحاصل محنت کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

اس کے علاوہ سونے اور چاندی کا ایک جگہ جمع ہونا اِن دھاتوں کے لئے نئی منڈی بھی پیدا کرتا ہے اور روپے کا ایک امکانی سرچشمہ بھی۔

جمع وست گردش کرتے ہوئے روپے کی رسد اور ضبط کے لئے ایک نلوے کا کام بھی دیتی ہے، جہاں گردش میں اس کے بھرپور (Saturation) ہونے کے درجے میں متواتر اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ (سرمایہ، صفحہ 95)

ii۔ ادائیگی کا وسیلہ

اشیاء کی گردش کے ارتقاء کے ساتھ نئی شرائط نمودار ہوتی ہیں: شے کی مغائرت کو اِس کی قیمت کی تحصیل سے ایک خاص وقت ہی میں ممیز کیا جا سکتا ہے۔ اشیاء کی پیداوار کے لیے وقت کی مختلف مدتیں درکار ہوتی ہیں، وہ مختلف موسموں میں پیدا ہوتی ہیں، بعض کو دور دراز منڈیوں میں بھیجنا پڑتا ہے، وغیرہ۔ چنانچہ الف اس وقت فروخت کرنے والا بن سکتا ہے جبکہ 'ب' یعنی خریدار ادائیگی کرنے کی حیثیت میں آ جائے۔ عمل ادائیگی کے حالات میں مندرجہ ذیل طریقے سے باقاعدگی پیدا کرتا ہے: 'الف' لین دار بن جاتا ہے اور 'ب' دین دار؛ روپیہ ادائیگی کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اس طرح لین دار اور دین دار کا تعلق ابھی سے ہی زیادہ مخاصمانہ ہو جاتا ہے۔ (اشیاء کی

گردش سے علیحدہ رہ کر بھی مثلاً زمانہ قدیم میں اور قرون وسطیٰ میں ایسا ہوسکتا ہے۔)(صفحہ 97)

اس تعلق سے روپیہ مندرجہ ذیل وظائف پورے کرتا ہے:

(1) فروخت شدہ شے کی قیمت متعین کرنے میں قدر کے پیمانے کی طرح؛

(2) خریداری کے آئیڈیل ذریعے کی طرح۔

جمع وست میں روپے کو گردش میں سے واپس لے لیا گیا تھا؛ یہاں، ادائیگی کا وسیلہ ہونے کے باعث روپیہ گردش میں داخل ہو جاتا ہے مگر صرف اس وقت جبکہ شے اس کو چھوڑ کر جا چکی ہو۔ دین دار خریدار اس غرض سے فروخت کرتا ہے کہ وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے ورنہ اس کو نیلام پر چڑھا دیا جائے گا۔ اس لیے، روپیہ خود اپنے اندر اُس سماجی لازمیت کے ذریعے فروخت کا مقصد بن جاتا ہے جو کہ گردش کے ہر عمل کے تعلقات سے پیدا ہوتی ہے۔(صفحات 98-97)

خرید اور فروخت کا عدم تسلسل، جو ادائیگی کے وسیلے کے بطور روپے کے وظائف کی بنیاد بنتا ہے، ساتھ ساتھ گردشی وسیلے کی مقدار بھی متعین کرتا ہے، یعنی ادائیگیاں ایک خاص مقام پر مرتکز ہو جاتی ہیں۔ قرون وسطیٰ میں لیانس میں _ منڈی پٹانے کا ایک طرح کا مرکز، جہاں باہمی لین دین میں سے صرف اصلی بقایا کی ادائیگی ہوتی تھی، انتقال زر کے پروانے (اپنے کھاتے میں سے دوسرے میں ڈرافٹ کے ذریعے ادائیگی) کا۔(صفحہ 98)

ادائیگیاں جہاں تک ایک دوسرے کے متوازن ہو جاتی ہیں، روپیہ محض تصوری طور پر حساب کتاب کے روپے یا قدروں کے پیمانے کے وظائف انجام دیتا ہے۔ جہاں تک اصل ادائیگی کرنے کا سوال ہوتا ہے، وہاں یہ گردش کے وسیلے کی حیثیت سے، یعنی ادبے بدلے کی ارتباطی اور تحلیل پذیر بُنتر کے بطور کام نہیں کرتا بلکہ سماجی محنت کی انفرادی تجسیم کی حیثیت سے، قدر مبادلہ کے علیحدہ وجود کی حیثیت سے، مطلق شے کی طرح ہوتا ہے۔ یہ براہ راست تضاد پیداواری اور تجارتی بحرانوں کے اس دور میں پھٹ پڑتا ہے جو بحران زر کہلاتا ہے۔ یہ صرف وہاں واقع ہوتا ہے جہاں ادائیگیوں کا بڑھتا ہوا سلسلہ اور ان کو طے کرنے کا ایک مصنوعی نظام ارتقا کی تکمیل پا چکتے ہیں۔ اس نظام میں زیادہ عام خلل سے، خواہ ان کا آغاز کہیں سے کیوں نہ ہوا ہو، روپیہ اچانک اور فوراً زر حساب کی اپنی محض تصوری بُنتر سے تبدیل ہو کر نقدی کی صورت اختیار کر لیتا ہے؛ بازاری اشیاء اب اس کی جگہ نہیں لے سکتیں۔(صفحہ 99)

کریڈٹ کا روپیہ، روپے کے اُن وظائف سے جنم لیتا ہے جو یہ ادائیگی کے وسیلے کے بطور سرانجام دیتا ہے۔ اِن قرضوں کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لئے خود قرضے کی اسناد گردش کرتی ہیں۔ کریڈٹ کے نظام کے ساتھ ساتھ ادائیگی کے وسیلے کی حیثیت سے روپے کے وظائف میں پھر توسیع ہو جاتی ہے؛ اس حیثیت میں روپیہ اپنی اصلی مادی بُنتر میں آجاتا ہے، جس میں وہ بڑے پیمانے کے تجارتی سودوں کے حلقے پر قابض ہو جاتا ہے، جبکہ سکہ بڑی حد تک پرچون کی تجارت کے حلقے میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (صفحہ 101)

اشیاء کی پیداوار کی ایک خاص منزل اور مقدار آجانے کے بعد ادائیگی کے وسیلے کی حیثیت سے روپے کے وظائف اشیائے تجارت کی گردش کے حلقے سے باہر تک پہنچ جاتے ہیں؛ یہ معاہدوں کی عالمگیر شے بن جاتا ہے۔ لگان، محصول اور ایسی ہی چیزیں ادائیگی بصورت جنس سے بدل کر روپے میں ادائیگی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ موازنہ کیجئے: فرانس زیر حکومت لوئی چہاردہم۔ (بوئے گلبرت اور واباں)؛ دوسری طرف ایشیا، ترکی، جاپان وغیرہ (صفحہ 102)

ادائیگی کے وسیلے کے بطور روپے کا ارتقا اُن تاریخوں سے روپے کے اجماع کو لازمی بناتا ہے جب سے ادائیگیاں واجب تھیں۔ جمع دست، جو کہ روپیہ حاصل کرنے کی انوکھی شکل ہے، اُس وقت ختم ہو جاتی ہے جب سماج مزید ترقی پاتا ہے، ادائیگی کے وسیلے کے محفوظ ذخیرے کی حیثیت سے پھر نمودار ہو جاتی ہے۔ (صفحہ 103)

iii۔ عالمگیر روپیہ

عالمی تجارت میں سکوں کی مقامی بُنتریں ___ چھوٹے سکے اور کاغذی روپیہ ___ ترک کر دی جاتی ہیں، اور سونے کی اشرفی ہی عالمگیر روپے کے بطور کارآمد ٹھہرتی ہے۔ صرف عالمی منڈی ہی میں روپیہ پوری حد تک اس شے کے وظائف انجام دیتا ہے جس کی جسمانی بُنتر اس کے ساتھ ہی ساتھ مجرد شکل کی انسانی محنت کی فوری سماجی جسمانیت بھی ہوتی ہے۔ اس کے وجود کا انداز اس کے تصور کے شایاں ہو جاتا ہے (صفحات 104-103 تفصیلات صفحہ 105)۔

دوسرا باب

روپے کی سرمائے میں تبدیلی

(The Transformation of Money into Capital)

1۔سرمائے کے لیے عام کلیہ

(The General Formula for Capital)

اشیائے تجارت کی گردش سرمائے کا نقطہ آغاز ہوتی ہے۔ چنانچہ جنس تجارت کی پیداوار، اشیائے تجارت کی گردش اور موخرالذکر کی ترقی یافتہ شکل یعنی تجارت ہمیشہ وہ تاریخی زمین تیار کرتے ہیں جہاں سے سرمایہ نکلتا ہے۔ سرمائے کی جدید تاریخ کا آغاز سولہویں صدی میں جدید عالمی تجارت اور عالمی منڈی کی تخلیق کے ساتھ ہوتا ہے۔(صفحہ 106)

اگر ہم صرف اُن معاشی بُنتروں ہی پر غور کریں جو کہ اشیاء کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اِس کا آخری حاصل روپیہ ہے، اور آخرالذکر وہ پہلی بُنتر ہے جس میں سرمایہ نمودار ہوتا ہے۔ سرمایہ ہمیشہ پہلے پہل زمینی املاک کے روبرو زریائی گئی دولت (Moneyed Wealth) کے بطور، سوداگر اور سود خور کے سرمائے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور آج بھی سارا نیا سرمایہ پہلے پہل میدان عمل میں روپے کی صورت میں آتا ہے جسے معین عوامل کے ذریعے سرمائے میں تبدیل کرنا ہوتا ہے۔

روپیہ بطور روپیہ اور روپیہ بطور سرمایہ کے درمیان فرق، آغاز میں، محض اُن کی گردشی بُنتروں میں ہوتا ہے۔ C-M-C کے ساتھ ہی ساتھ M-C-M کی، فروخت کرنے کے لیے خریدنے کی شکل موجود رہتی ہے۔ روپیہ جو گردش کی اس بُنتر کو بیان کرتا ہے اپنی نقل وحرکت میں سرمایہ بن جاتا ہے، بلکہ یہ اپنے اندر (in itself) پہلے ہی سرمایہ ہے (یعنی اپنی منزل مقصود کے اعتبار سے)۔

M-C-M کا نتیجہ M-M ہوتا ہے، یعنی روپے کا روپے سے بالواسطہ تبادلہ۔ میں 100 پاؤنڈ کی کپاس خریدتا ہوں اسے 110 پاؤنڈ میں فروخت کر دیتا ہوں، انجام کار میں نے 100 پاؤنڈ کے بدلے 110 پاؤنڈ حاصل کر لیے۔

اگر اس عمل سے انجام کار وہی قدرِ روپیہ حاصل ہوتی جو شروع میں لگائی گئی تھی، 100 پاؤنڈ سے 100 پاؤنڈ، تو یہ بے معنی ہوگا۔ پھر بھی 100 پاؤنڈ لگا کر سوداگر کو وصولیابی 100 پاؤنڈ، 110 پاؤنڈ یا محض 50 پاؤنڈ کی ہوتی ہے، اس کے روپے نے ایک مخصوص نقل وحرکت کی ہے جو شے کی گردش C-M-C سے قطعی مختلف ہے۔ اس نقل وحرکت اور M-C-M کے درمیان جو بُنتری (Form) امتیازات ہیں ان کے مطالعے سے مافیہہ (Content) کا فرق بھی معلوم ہوجائے گا۔

اس عمل کے دو حصے اگر الگ الگ لیے جائیں تو وہ وہی ہیں جو کہ C-M-C میں۔ لیکن بحیثیت مجموعی پورے عمل میں بڑا فرق ہے C-M-C میں روپیہ وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے اور شے نقطہ آغاز اور نقطہ انجام کی۔ M-C-M میں شے ارتباط کا کام کرتی ہے جبکہ روپے کی حیثیت نقطہ آغاز اور نقطہ انجام کی۔ C-M-C میں روپیہ ہمیشہ کے لیے صرف ہو جاتا ہے؛ M-C-M میں وہ محض پیشگی دیا جاتا ہے، اس کو پھر سے واپس مل جانا ہوتا ہے۔ وہ اپنے نقطہ آغاز کی طرف بہہ کر واپس پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں وہ واضح فرق موجود ہوتا ہے جو روپے کے بطور روپے کی گردش اور سرمائے کے بطور روپے کی گردش میں پایا جاتا ہے۔

C-M-C میں روپیہ اپنے نقطہ آغاز پر پورے عمل کے دوہرائے جانے پر ہی پہنچ سکتا ہے، نئی اشیاء کی فروخت کے ذریعے۔ چنانچہ واپسی خود اس دورانِ عمل سے بے نیاز ہوتی ہے۔ دوسری طرف M-C-M میں یہ واپسی پراسیس کی ترکیب میں ابتداً ہی لازمی شرط ہے، یعنی واپسی کے بغیر پراسیس نامکمل رہ جاتا ہے۔ (صفحہ 110)

C-M-C کا حتمی مقصد قدر افادہ ہوتا ہے۔ M-C-M کا مقصد بذات خود قدر مبادلہ (Exchange Value)۔

C-M-C میں دونوں انتہائیں معاشی بُنتر کی ایک جیسی قطعیت کی حامل ہیں۔ دونوں اشیاء ہوتی ہیں اور یکساں قدر کی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ معیاری اعتبار سے مختلف استعمالی قدریں ہوتی ہیں اور سماجی استحالہ (Metabolism) اس عمل کی مافیہہ ہے۔ M-C-M میں عمل، بادی النظر میں، تکرارِ محض (Tautological) اور بے مقصد معلوم ہوتا ہے۔ 100 پاؤنڈ کا 100 پاؤنڈ سے تبادلہ کرنا اور اس پر طرہ یہ کہ الٹ پھیر کر، بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ایک نقد

رقم کا دوسری نقد رقم سے محض مقدار کے اعتبار سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے M-C-M میں معنی دونوں انتہاؤں میں مقداری فرق کے ذریعے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ گردش میں جتنی رقم داخل کی گئی تھی اس سے زیادہ واپس کھینچی جاتی ہے۔ 100 پاؤنڈ میں خریدی ہوئی کپاس گویا فروخت 100+10 پاونڈ میں ہوتی ہے؛ یہ عمل پھر اس کلیے کے مطابق ہوتا ہے 'M-C-M جس میں M'=M+M، یہ M اضافہ قدرِ زائد ہے۔ جو قدر شروع میں پیشگی دی گئی تھی نہ صرف جوں کی توں گردش میں رہتی ہے، بلکہ اپنے میں ایک قدر زائد کا اضافہ بھی کر لیتی ہے، اپنی توسیع کر لیتی ہے۔ اور یہ حرکت روپے کو سرمائے میں بدل دیتی ہے۔

C-M-C میں انتہاؤں کی قدر کے درمیان بھی فرق ہو سکتا ہے لیکن اس طرز کی گردش میں یہ محض امر اتفاقی ہوتا ہے، اور C-M-C اس وقت بے معنی نہیں ہو جاتا جبکہ دونوں انتہائیں برابر ہوں۔ اس کے برعکس، نارمل پراسیس کے لیے یہ قدرے لازمی شرط ہوتی ہے۔

C-M-C کے دوہرائے جانے کے عمل میں باقاعدگی ایک قطعی مقصد کی پیداوار ہے، جو خود اس سے باہر ہوتی ہے: استعمال، مخصوص ضرورتوں کی تسکین۔ دوسری طرف M_C_M میں آغاز اور انجام ایک ہی ہوتے ہیں _ روپیہ _ اور یہی چیز حرکت کو لامتناہی بناتی ہے۔ مانا کہ M+M مقدار میں M سے مختلف ہوتا ہے مگر یہ بھی روپے کی محض محدود رقم ہے؛ اگر وہ صرف ہو گئی ہوتی تو پھر سرمایہ نہ رہ جاتی؛ اگر اس کو گردش سے نکال لیا گیا ہوتا تو وہ جمع دست کی طرح جامد رہتی۔ اگر ایک بار قدر کی بڑھت طے پا جائے تو یہ 'M اور M دونوں کے لئے لازم و ملزوم ہو جاتی ہے، اور سرمائے کی حرکت غیر محدود، کیونکہ اس کی منزل مقصود عمل کے آخر میں بھی اسی طرح نہیں حاصل ہوتی جس طرح کہ شروع میں نہیں ہوتی (صفحات 112-111) اس عمل کے نمائندے کی حیثیت سے روپے کا مالک سرمایہ دار بن جاتا ہے۔

اگر شے کی گردش میں قدر مبادلہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ شے کی قدرِ صرف سے آزاد بُنتر اختیار کر لیتی ہے تو یہاں وہ خود کو اچانک ایک برسرِ عمل ماہیئت (Substance in Process) کے بطور لاتی ہے، جس میں 'خود کی حرکت' موجود ہے، اور جس کے لیے شے اور روپیہ نری بُنتریں ہیں۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اپنی قدرِ زائد کے منصب سے یہ اس وجہ سے ممیّز ہے کہ یہ خود حقیقی قدر ہے۔ برسرِ عمل ہوتے ہوئے یہ روپیہ بن جاتی ہے اور اسی حیثیت میں سرمایہ۔ (صفحہ 116)

درحقیقت، بظاہر یوں لگتا ہے کہ 'M-C-M صرف سوداگری سرمائے سے متعلقہ کوئی بُنتر ہے۔لیکن صنعتی سرمایہ بھی روپیہ ہی ہے جو اشیاء میں بدل جایا کرتا ہے اور موخرالذکر کی فروخت سے ایک بار پھر 'اضافہ شدہ روپے' میں بدل جاتا ہے۔وہ عوامل جو خرید اور فروخت کے درمیان، گردش کے حلقے سے باہر رونما ہوتے ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہیں لاتے۔آخر میں یہ کہ سود دینے والے سرمائے میں یہ عمل ایسا لگتا ہے کہ جیسے 'M-M ہو جس میں درمیانی کڑی کوئی نہیں، وہ قدر جو کہ گویا خود اپنے آپ سے بڑی ہو۔(صفحہ 117)

2۔عام کلیے میں تضادات

گردش کی وہ بُنتر جس کے ذریعے روپیہ سرمایہ بن جاتا ہے، ان سابقہ تمام قوانین سے تضاد میں آجاتا ہے جو اشیاء کی، قدر کی، روپے کی اور خود گردش کی نوعیت سے متعلق ہیں۔کیا تسلسل کی پلٹی ہوئی ترتیب کا خالص بُنتری فرق اس کا باعث ہوسکتا ہے؟

مزید برآں عمل میں شریک تین افراد میں سے یہ پلٹان صرف ایک کے لیے وجود میں ہوتا ہے۔سرمایہ دار کی حیثیت سے میں اشیاء 'الف' سے خریدتا ہوں اور انہیں 'ب' کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں 'الف' اور 'ب' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف اشیاء کے خریدنے اور بیچنے والے ہوں۔ دونوں صورتوں میں میرا اُن کا آمنا سامنا محض روپے کے بُرے مالک یا اشیاء کے مالک کی حیثیت سے ہوتا ہے، ایک کا سامنا خریدار یا روپے کی حیثیت سے، دوسرے کا فروخت کرنے والے یا شے کی حیثیت سے۔لیکن ان میں سے کسی سے بھی سرمایہ دار کی طرح یا کسی ایسی چیز کے نمائندے کی حیثیت سے نہیں جو روپے سے یا شے سے کچھ زیادہ ہو۔'الف' کے لیے سودے کا آغاز فروخت سے ہوا، 'ب' کے لیے اس کا اختتام خرید پر ہوگیا، چنانچہ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ اشیاء کی گردش میں ہوتا ہے۔علاوہ ازیں اگر میں قدر زائد پر اپنا حق اس سادہ تسلسل پر مبنی سمجھوں تو 'الف' چاہتا تو 'ب' کو براہ راست فروخت کرسکتا تھا اور قدر زائد کا موقع ہی ختم ہوجاتا۔

فرض کیجئے کہ 'الف' اور 'ب' ایک دوسرے سے اشیاء براہ راست خریدتے ہیں۔جہاں تک قدر صرف (Use Value) کا تعلق ہے غالباً دونوں کو نفع ہو۔ممکن ہے کہ 'الف' اپنی شے میں سے 'ب' کے مقابلے میں ایک ہی مدت میں کچھ زیادہ کشید کرلے، اور اس کے برعکس بھی، جس سے

دونوں کو پھر نفع ہوگا۔لیکن قدر مبادلہ کے حسابوں اس کے برعکس ہوگا۔ یہاں برابر قدروں کا باہم دگر تبادلہ ہوتا ہے،خواہ روپیہ بھی گردش کے وسیلے کی حیثیت سے اس میں مداخلت کیوں نہ کرے۔(سرمایہ،صفحہ 119)

مجرد طریقے سے غور کیا جائے تو اشیاء کی سادہ گردش میں صرف شے کی بُنتر کا فرق پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ ہم ایک قدر افادہ کو دوسری سے بدلنے کو مستثنیٰ کر دیں۔ چونکہ اس میں قدر مبادلہ کی صرف بُنتر بدلنے کا معاملہ ہوتا ہے،اس لئے مساویوں کا تبادلہ شرط ٹھہرتی ہے، بشرطیکہ یہ مظہر اپنی خالص شکل میں رونما ہو۔اشیاء، بلاشبہ اپنی قدروں سے مختلف قیمتوں پر فروخت کی جاسکتی ہیں،مگر اس کے معنی اشیاء کے تبادلے کے قانوں کی خلاف ورزی کرنے کے ہوں گے۔اپنی خالص شکل میں یہ مساویوں کا تبادلہ ہوتا ہے، چنانچہ اس میں اپنے آپ کو دولت مند کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہوتا۔(سرمایہ،صفحہ 120)

چنانچہ اشیاء کی گردش سے قدر زائد اخذ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ (کنڈی لک صفحہ 121، نیوسن صفحہ 122)

لیکن ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ مبادلہ خالص شکل میں نہیں ہوتا، یہ غیر مساویوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ہر فروخت کرنے والا اپنی جنس تجارت اس کی قدر سے 10 فیصدی زیادہ پر فروخت کرتا ہے۔سب کچھ جوں کا توں رہتا ہے:فروخت کرنے والے کی حیثیت سے جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے،خریدنے والے کی حیثیت سے وہی گنوا دیتا ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے کہ روپے کی قدر 10 فیصدی بدل گئی ہو۔اگر خریداروں نے ہر چیز قدر سے 10 فیصدی کم پر خریدی تو بھی یوں ہی ہوگا۔(صفحہ 123،تورینس)۔

یہ مفروضہ کہ قدر زائد قیمتوں میں اضافے سے پیدا ہوتی ہے،اس بات کو پہلے ہی سے تسلیم کر لیتا ہے کہ ایسا ایک طبقہ موجود ہے جو خریدتا ہے اور فروخت نہیں کرتا،یعنی صرف کرتا ہے مگر پیدا نہیں کرتا، جسے روپیہ متواتر مفت ملتا رہتا ہے۔اس طبقے کے ہاتھ اشیاء ان کی قدر سے زیادہ پر فروخت کرنے کے معنی فریب دے کر،اس روپے کا ایک حصہ محض واپس لے لینے کے ہوں گے جو مفت دے دیا گیا تھا۔(ایشائے کوچک اور روم)۔پھر بھی فروخت کرنے والا ہمیشہ فریب زدہ رہتا ہے اور مالدار نہیں بن سکتا،اس طرح سے قدر زائد کی تشکیل نہیں کر سکتا۔

آیئے فریب دینے کے معاملے کو لیں۔ 40 پاؤنڈ مالیت کی شراب 'الف' فروخت کرتا ہے 'ب' کے ہاتھ 50 پاؤنڈ مالیت کے اناج کے بدلے۔ 'الف' نے 10 پاؤنڈ زیادہ حاصل کر لیے۔ لیکن 'الف' اور 'ب' دونوں کے پاس ملا کر تو صرف 90 ہیں۔ 'الف' کے پاس 50 اور 'ب' کے پاس 40؛ قدر منتقل ہوگئی، تخلیق نہیں ہوئی۔ کسی بھی ملک میں سرمایہ دار طبقہ، بحیثیت مجموعی اپنے آپ کو فریب نہیں دے سکتا۔ (صفحہ 126)

چنانچہ: اگر مساویوں کا تبادلہ کیا جائے تو کوئی قدر زائد حاصل نہیں ہوتی؛ اور اگر غیر مساویوں کا تبادلہ کیا جائے تو بھی نتیجے میں قدر زائد حاصل نہیں ہوتی۔ شے کی گردش کوئی نئی قدر تخلیق نہیں کرتی۔

یہی وجہ ہے کہ سرمائے کی سب سے پرانی اور مقبول صورتوں، سوداگر کے سرمائے اور سود خور کے سرمائے پر یہاں غور نہیں کیا گیا ہے۔ سوداگر کے سرمائے کی بڑھت کی وضاحت اگر محض فریب کاری سے نہیں ہوتی تو بہت سارے درمیانی عناصر کی، جو ابھی تک دریافت نہیں ہوئے ہیں، ضرورت ہوگی۔ سود خور کے اور نفع دینے والے سرمائے کے معاملے میں تو اور بھی زیادہ کی۔ بعد میں نظر آئے گا کہ دونوں اکتسابی بُنتریں (Derived Forms) ہیں اور کیا وجہ ہے کہ وہ تاریخی اعتبار سے جدید سرمائے سے پہلے ظہور میں آتی ہیں۔

پس قدر زائد کی پیدائش گردش میں نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس سے باہر؟ اس سے باہر شے کا مالک محض اپنی شے کا پیداوار کنندہ ہے، جس کی قدر کا انحصار اس کی اپنی اس محنت کی مقدار پر ہوتا ہے جو کہ اِس میں شامل ہوتی ہے اور جس کی پیمائش ایک قطعی سماجی قانون کے مطابق ہوا کرتی ہے؛ اس قدر کا اظہار اعداد و شمار کے روپے میں ہوتا ہے، مثلاً 10 پاؤنڈ کی قیمت میں۔ لیکن یہ قدر بیک وقت 11 پاؤنڈ کی قدر نہیں ہوتی؛ اس کی محنت قدروں کی تخلیق کرتی ہے مگر ایسی قدروں کی نہیں جو خود سے بڑھنے لگیں۔ یہ موجود قدر میں مزید قدر کا اضافہ کر سکتی ہے، مگر یہ صرف مزید محنت شامل کرنے کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ اس طرح سے شے کا پیدا کار دیگر مالکان اشیاء سے تعلق میں آئے بغیر، گردش کے حلقے سے باہر قدر زائد پیدا نہیں کر سکتا۔

اس لیے سرمائے کا آغاز شے کی گردش کے اندر ہونا چاہئے اور پھر بھی اس کے اندر نہیں۔ (صفحہ 128)

چنانچہ: روپے کی سرمائے میں تبدیلی کو ان قوانین کی بنیاد پر واضح کرنا ضروری ہے جو اشیاء کے تبادلے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جس کا نقطۂ آغاز مساویوں کا باہم تبادلہ ہے۔ ہمارے مالکِ روپیہ کو، جو ابھی تک سرمایہ دار بننے کے ابتدائی مراحل میں ہے جیسے تتلی بننے سے پہلے گھونگا، اپنی اشیاء ان کی قدر کے مطابق خریدنی ہیں، قدر کے مطابق ان کو فروخت کرنا ہے اور پھر بھی اس عمل کے آخر میں اس سے زیادہ قدر اینٹھنی ہے جو کہ اس نے اس میں لگائی تھی۔ تتلی بن جانے کا اس کا ارتقا لازماً گردش کے حلقے کے اندر ہی ہونا ہے اور اس کے اندر نہیں بھی۔ یہ ہیں قضیے کی شرائط۔(صفحہ 129)

3۔قوت محنت کی خرید اور فروخت

اس روپے کی قدر میں تبدیلی جسے سرمائے میں بدلنا ہے، خود اس روپے میں واقع نہیں ہو سکتی، کیونکہ خرید میں وہ شے کی قیمت ہی وصول کرتا ہے اور دوسری طرف، جب تک کہ یہ روپیہ رہتا ہے وہ اپنی قدر کے حجم کو نہیں بدلتا؛ اور فروخت میں بھی وہ شے کو اس کی جسمانی بُنتر کو روپے کی بُنتر دیتا ہے۔ اس لئے تبدیلی M_C_M کی شے ہی میں ہونی چاہیے مگر اس کی قدر مبادلہ میں نہیں کیونکہ تبادلہ مساویوں کا ہوا کرتا ہے؛ وہ اس کی خود قدر افادہ ہی سے ہو سکتی ہے، یعنی اس کی کھپت سے۔ اس مقصد کے لیے ایک ایسی شے درکار ہوتی ہے جس کی قدر استعمال قدر مبادلہ کا سرچشمہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور یہ واقعی موجود ہے۔۔۔قوت محن۔(صفحہ 130)

لیکن اس غرض سے کہ روپے کے مالک کو قوت محنت منڈی میں شے کی حیثیت سے ملے، لازم ہے کہ اِسے وہی فروخت کرے جو اِس کا حامل ہے، یعنی اس کو آزاد قوت محن ہونا چاہیے۔ چونکہ خریدار اور فروخت کنندہ فریقین معاملہ کی حیثیت سے دونوں قانونی اعتبار سے برابر کے اشخاص ہوتے ہیں، اس لیے قوت محنت کو صرف عارضی طور پر بیچا جا سکتا ہے کیونکہ ہمیشہ کے لیے فروخت میں فروخت کرنے والا فروخت کنندہ نہیں رہ جاتا، بلکہ خود ایک شے بن جاتا ہے۔ لیکن پھر مالک بجائے یہ کہ ایسی اشیاء بیچے جن میں اُس کی قوتِ محنت مجسم ہے، اُسے اس قابل ہونا چاہیے کہ اپنی قوتِ محنت کو شے کے بطور بیچ پائے۔(صفحہ 131)

چنانچہ اپنے روپے کو سرمائے میں بدلنے کے لیے روپیے کے مالک کو اشیاء کی منڈی

میں آزاد محنت کش ضرور دستیاب ہونا چاہیے، آزاد دوہرے معنوں میں، یہ کہ آزاد انسان کی طرح وہ اپنی قوت محن کو اپنی شے کی حیثیت سے فروخت کر سکے اور یہ کہ دوسری طرف، اس کے پاس فروخت کرنے کے لیے دوسری کوئی شے نہ ہو، اس کے کوئی بندھن نہ ہوں، اپنی قوت محن کے استعمال کے لیے تمام ضروری چیزوں سے وہ آزاد ہو۔ (صفحہ 132)

واضح رہے کہ روپے اور قوتِ محن کے مالک کا باہمی تعلق فطرتی نہیں ہوتا یا تمام زمانوں کے لیے مشترکہ نہیں ہوتا، بلکہ تاریخی ہوتا ہے، بہت سے معاشی انقلابوں کی پیداوار۔ اسی طرح سے ان تمام معاشی زمروں پر جن پر اب تک غور کیا جا چکا ہے، ان کی تاریخی مہر ثبت ہے۔ شے بن جانے کے لیے کسی چیز کو روزی کے فوری ذریعے کی حیثیت سے پیدا نہیں ہوتا رہنا چاہیے۔ مصنوعات کے ڈھیر کے ڈھیر صرف مخصوص طبع پیداوار کے، سرمایہ دارانہ طبع کے اندر شے کی بُنتر میں آ سکتے ہیں، حالانکہ اشیاء کی پیداوار اور گردش اس صورت میں بھی واقع ہو سکتی ہے جب مصنوعات کے ڈھیر کے ڈھیر کبھی بھی اشیاء نہ بنیں۔ اسی طرح سے روپیہ ان تمام زمانوں میں موجود ہو سکتا ہے جنہوں نے اشیاء کی گردش کی ایک خاص سطح حاصل کر لی ہو، روپے کی مخصوص بُنتریں، محض مساویوں سے عالمگیر روپے تک ارتقا کے مختلف مرحلوں کی موجودگی کی پیش قیاسی کر لیتی ہیں؛ پھر بھی اشیاء کی گردش کا نہایت خفیف ارتقا ان سب کو جنم دے سکتا ہے۔ دوسری طرف، سرمایہ صرف مذکورہ شرط ہی میں پیدا ہوتا ہے اور اس ایک شرط پر ہی ایک دنیا کی تاریخ مشتمل ہے۔ (صفحہ 133)

قوت محن کی ایک قدر مبادلہ ہوتی ہے جس کا تعین، دوسری تمام اشیاء کی قدر مبادلہ کی طرح اس کی پیداوار میں صرف ہونے والی قوت محن سے ہوتا ہے اور اس لیے اس کی تجدید پیداوار سے بھی۔ قوت محن کی قدر معاش کے ان ذرائع کی قدر ہوتی ہے جو اس کے مالک کی گزراوقات کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یعنی اس کو ایسی حالت میں برقرار رکھنے کے لیے کہ اس میں کام کرنے کی صلاحیت نارمل رہے۔ اس کا انحصار آب وہوا، قدرتی حالات وغیرہ وغیرہ و نیز ہر ملک کے مخصوص تاریخی معیار زندگی پر ہوتا ہے۔ وہ الگ الگ ہوتے ہیں مگر ہر خاص ملک کے لیے اور ہر خاص دور کے لیے وہ خاص ہوا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مزدور کے ذرائع معاش میں اس کی جگہ لینے والوں یعنی اس کے بچوں کے لیے معاش کے ذرائع شامل ہوتے ہیں تاکہ ان خاص مالکان شے کی نسل ہمیشہ چلتی رہے۔ اس کے علاوہ، ہنرمند محنت کے لیے تعلیم کے اخراجات۔ (صفحہ 135)

قوتِ محن کی قدر کی انتہائی نچلی حد ناگزیر مادی ذرائع معاش کی قدر ہے۔ اگر قوت محن کی قیمت اس حد سے نیچے چلی جائے تو یہ اپنی قدر سے گر جائے گی۔ کیونکہ آخرالذکر میں قوتِ محن کے نارمل معیار کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے نہ کہ کم تر کو۔ (صفحہ 136)

محنت کی نوعیت میں یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ قوت محنت معاہدہ ہو جانے کے بعد ہی صرف ہوتی ہے اور چونکہ سرمایہ دارانہ طبع پیداوار کے تمام ملکوں میں اس قسم کی اشیاء کی قیمت کی ادائیگی کا وسیلہ روپیہ ہوا کرتا ہے، اس لیے قوت محن کی قیمت اس کے استعمال ہو جانے کے بعد ہی ادا کی جایا کرتی ہے۔ اس لیے ہر جگہ مزدور سرمایہ دار کو ادھار دیا کرتا ہے۔ (صفحات 138-137)

قوتِ محن استعمال کرنے کا عمل ساتھ ہی ساتھ اشیاء اور قدر زائد پیدا کرنے کا عمل بھی ہوتا ہے اور مصرف میں لانے کا یہ عمل گردش کے حلقے کے باہر رونما ہوتا ہے۔ (صفحہ 140)

تیسرا باب

مطلق قدرِ زائد کی پیداوار

(The Production of Absolute Surplus Value)

1۔محنت کا عمل اور قدر زائد پیدا کرنے کا عمل

قوتِ محن کا خریدار اسے استعمال کرنے کے لیے بیچنے والے کو کام پر لگا دیتا ہے۔اشیاء پیدا کرنے کی یہ محنت اولاً استعمالی قدریں فراہم کرتی ہے اور اس وصف میں یہ سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان مخصوص تعلق سے آزاد ہوتی ہے....خود عملِ محن کی تفصیل۔(صفحات 149-141)

سرمایہ دارانہ بنیاد پر عملِ محن کے دو اوصاف ہیں:

(1) محنت کش سرمایہ دار کے ماتحت کام کرتا ہے۔

(2) مصنوعات سرمایہ دار کی ملکیت ہوتی ہیں، کیونکہ اب عملِ محن صرف دو چیزوں کے درمیان عمل ہوتا ہے جو سرمایہ دار کی خریدی ہوئی ہیں: قوتِ محن اور ذرائع پیداوار۔(صفحہ 150)

لیکن سرمایہ دار خود اپنے استعمال کے مقصد سے قدرِ صرف پیدا نہیں کرنا چاہتا بلکہ قدر مبادلہ کے اور خصوصاً قدر زائد کے ایک خزانے کی حیثیت سے چاہتا ہے۔محنت، ایسے حالات کے تحت، جہاں شے قدر افادہ اور قدر مبادلہ کا مجموعہ ہو، پیداواری عمل اور قدر تخلیق کرنے کے عمل کا مجموعہ بن جاتی ہے۔(صفحہ 151)

چنانچہ مصنوعہ میں متجسم ہونے والی مقدارِ محن کی تحقیق ضروری ہے۔

مثال کے طور پر سوت کو لیجئے۔فرض کیجئے اس کے لیے کپاس وزن میں 10 پاؤنڈ درکار ہوئی، بنانے پر 10 شلنگ خرچ آیا، اور آلات محنت پر، جن کی گھسائی پٹائی کاتنے کے عمل کے دوران میں ناگزیر ہوتی ہے، جس کو مختصراً ہم یہاں تکلے کا حصہ کہیں گے، فرض کیجئے 2 شلنگ آتا ہے۔چنانچہ مصنوعہ میں 12 شلنگ کی مالیت کے ذرائع پیداوار یعنی اس حد تک کہ جہاں:

1۔مصنوعہ اب سوت کی شکل میں حقیقی قدر استعمال بن گئی ہے؛اور

2۔ان ذرائع محن میں سماجی اعتبار سے لازمی وقتِ محن کا اظہار کیا گیا ہے۔

کتائی کی محنت سے اس میں مزید کتنا جمع ہو گیا؟

یہاں محنت کے عمل کو قطعی مختلف زاویئے سے دیکھا گیا ہے۔مصنوعہ کی قدر میں کپاس کے کاشت کار کی،تکلا بنانے والے کی اور دوسروں کی اور کتائی کرنے والے کی محنتیں قابلِ پیمائش ہیں؛معیاری اعتبار سے یہ قدر پیدا کرنے والی عمومی انسانی لازمی محنت کے برابر حصے ہیں،اور اس لیے ان کا امتیاز صرف معیاری اعتبار سے کیا جا سکتا ہے اور عین اسی وجہ سے مقداری اعتبار سے وقت کی طوالت کے ذریعے سے موازنے کے لائق ہیں؛بشرطیکہ اس امر کی پیش قیاسی کی جائے کہ یہ وقت کی طوالت سماجی طور پر لازمی وقتِ محن ہے،کیونکہ صرف موخرالذکر ہی قدر تخلیق کرنے والا ہے۔

فرض کیا کہ ایک دن کی قوتِ محن کی قدر 3 شلنگ ہے اور یہ کہ وہ محنت کے 6 گھنٹوں کو ظاہر کرتی ہے،یہ کہ وزن میں $1\frac{2}{3}$ پاؤنڈ سوت فی گھنٹے تیار ہوتا ہے،چنانچہ 6 گھنٹوں میں:10 پاؤنڈ وزنی سوت 10 پاؤنڈ وزنی (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) کپاس سے؛تو چھ گھنٹے میں 3 شلنگ کی قدر کا اضافہ ہو گیا اور مصنوعہ کی قدر 15 شلنگ ہے (10+2+3 شلنگ) یا ڈیڑھ شلنگ فی پاؤنڈ سوت۔

لیکن اس صورت میں کہیں کوئی قدر زائد موجود نہیں ہے۔یہ سرمایہ دار کے لیے کسی کام کی چیز نہیں۔(عامیانہ معاشیاتی بکواس۔صفحہ 157)

ہم نے فرض کیا تھا کہ ایک دن کی قوتِ محن کی قدر 3 شلنگ ہے کیونکہ نصف یومِ کار،یا 6 گھنٹے اس میں شامل کیے گئے ہیں۔لیکن یہ حقیقت کہ کسی محنت کش کے 24 گھنٹے گزارنے کے لیے صرف نصف یومِ کار درکار ہوتا ہے،اس کو کسی طرح بھی اس بات سے باز نہیں رکھتی کہ وہ سارا دن کام کرے۔قوتِ محن کی قدر اور وہ جو قدر تخلیق کرتی ہے دو مختلف مقداریں ہیں۔اس کا کارآمد وصف صرف ناگزیر شرط تھی؛لیکن جو چیز فیصلہ کن تھی وہ قوتِ محن کی خاص استعمالی قدر ہے جو اپنے اندر خود سے زیادہ قدرِ مبادلہ کا سرچشمہ ہے۔(صفحہ 159)

چنانچہ محنت کش 12 گھنٹے کام کرتا ہے،20 پاؤنڈ وزنی کپاس کاتتا ہے جس کی مالیت 20 شلنگ اور 4 شلنگ مالیت تکلے کی ہوتی ہے اور اس کی محنت کی قیمت 3 شلنگ ہوتی ہے:کل

میزان، 27 شلنگ۔لیکن مصنوعہ میں تکلے اور کپاس کی شکل میں چار دن کی محنت، اور کتائی والے کی ایک دن کی محنت متجسم ہے، 6 شلنگ یومیہ کے حساب سے کل ملا کر پانچ دن، یعنی مصنوعہ میں مجموعی طور پر 30 شلنگ کی قدر ہمیں حاصل ہوئی۔ 3 شلنگ کی قدر زائد: روپیہ سرمائے میں تبدیل ہوگیا۔(صفحہ 160) قضیے کی تمام شرائط پوری ہوگئیں۔(تفصیلات صفحہ 160)

قدر تخلیق کرنے والے عمل کی حیثیت سے، محنت کا عمل اسی لمحے سے قدر زائد پیدا کرنے والا عمل بن جاتا ہے جبکہ اس کی مدت اس حد سے آگے بڑھائی جاتی ہے جہاں وہ اس قوت محنت کا مساوی القدر فراہم کر چکتا ہے جسکی قیمت ادا کی گئی تھی۔

قدر تخلیق کرنے والا عمل سادہ عملِ محن سے یوں مختلف ہوتا ہے کہ موخرالذکر پر معیاری اعتبار سے غور کیا جاتا ہے اور اول الذکر پر مقداری اعتبار سے اور صرف اس حد تک کہ وہ سماجی اعتبار سے ضروری وقت محنت پر مشتمل ہوتا ہے۔(صفحہ 161، تفصیلات صفحہ 162)

عملِ محن اور قدر تخلیق کرنے کے عمل کے باہم انسلاک (Unity) کی حیثیت میں پیداواری عمل اشیاء کی پیداوار کا عمل ہے۔ عملِ محن اور قدر زائد تخلیق کرنے والے عمل کے باہم انسلاک کے بطور یہ اشیاء کی سرمایہ دارانہ پیداوار کا عمل ہوتا ہے۔(صفحہ 163)

کثیر پہلو محنت (Compound Labour) کی سادہ محنت میں تخفیف

2۔ بقا پذیر اور تغیر پذیر سرمایہ

(Constant & Variable Capital)

عملِ محن مکسوبِ محن (Object of Labour) میں نئی قدر جمع کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ مکسوبِ محن کی قدر کو مصنوعہ میں منتقل کر دیتا ہے چنانچہ صرف نئی قدر کا اضافہ کر کے اِسے محفوظ کر دیتا ہے۔ یہ دوہرا نتیجہ اس طرح حاصل ہوتا ہے: محنت کا اپنی مخصوص نوعیت میں مفید معیاری خاصہ ایک قدرِ صرف کو دوسری قدرِ صرف میں بدل دیتا ہے اور اس طرح قدر کو برقرار رکھتا ہے؛ محنت کا قدر پیدا کرنے والا، تجریدی طور پر عمومی، مقداری خاصہ ہی قدر میں اضافہ کرتا ہے۔(صفحہ 166)

مثلاً، فرض کیجئے کتائی کی محنت کی کارگزاری چھ گنی ہو جاتی ہے۔ کارآمد (معیاری) محنت کی حیثیت سے وہ اسی مدت میں چھ گنے ہی آلاتِ محن کو برقرار رکھتی ہے۔ لیکن وہ نئی قدر کا اتنا ہی

اضافہ کرتی ہے جتنا کہ پہلے، یعنی سوت کے ہر پاونڈ میں نئی قدر پہلے سے صرف 1/6 جمع ہوتی ہے۔قدر تخلیق کرنے والی محنت کے بطور وہ پہلے سے زیادہ کچھ نہیں دیتی۔(صفحہ 167) اگر کتائی کی محنت کی کارگزاری وہی رہے لیکن آلاتِ محن کی قدر بڑھ جائے تو حقیقت اس کے برعکس ہو جائے گی۔(صفحہ 168)

آلاتِ محن مصنوعہ میں صرف وہی قدر منتقل کرتے ہیں جو وہ خود اپنے آپ میں سے کھو دیتے ہیں(صفحہ 169)۔ یہ معاملہ ہے مختلف درجوں کا۔کوئلہ، مشینوں میں دینے کا تیل وغیرہ پوری طرح استعمال ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ کچا مال نئی صورت اختیار کر لیتا ہے۔آلے، مشینیں وغیرہ صرف آہستہ آہستہ ہی اور الگ الگ حصوں میں اپنی قدر کو منتقل کرتے ہیں اور گھسائی پٹائی کا حساب تجربے سے لگایا جاتا ہے۔(صفحات 170-169)۔لیکن بحیثیت مجموعی آلہ متواتر عمل محن میں مصروف رہتا ہے۔

اس لیے ایک ہی آلہ بحیثیت مجموعی عمل محنت میں شمار ہوتا ہے مگر قدر زائد کی پیداوار میں صرف جزوی طور پر، چنانچہ دونوں عوامل کے درمیان فرق کو یہاں مادی عناصر میں دکھایا گیا ہے۔(صفحہ 171)۔اس کے برعکس دیکھا جائے تو کچا مال جس میں سے ردی بھی نکلتی ہے، قدر زائد کی پیداوار کے عمل میں سالم داخل ہو جاتا ہے اور عملِ محن میں صرف جزوی طور پر کیونکہ وہ مصنوعہ میں ردی کو نکال کر نمودار ہوتا ہے۔(صفحہ 171)

لیکن آلۂ محن کسی حال میں بھی اس سے زیادہ قدر مبادلہ منتقل نہیں کر سکتا جتنی کہ خود اس کے اندر موجود ہو، عملِ محن میں وہ محض قدرِ صرف کا کام دیتا ہے اور اس لیے صرف وہی قدر مبادلہ دے سکتا ہے جو کہ اس کے پاس پہلے سے تھی۔(صفحہ 172)

قدر کا یہ برقرار رہنا سرمایہ دار کے لیے بڑا ہی سودمند ہوتا ہے مگر اس کا اس پر خرچ کچھ نہیں پڑتا۔(صفحات 174-173)

کیونکہ برقرار قدر کی صرف بازنمود ہوتی ہے، وہ پہلے ہی سے موجود تھی، صرف محنت کا عمل اس میں نئی قدر کا اضافہ کرتا ہے۔سرمایہ دارانہ پیداوار میں یہی قدر زائد ہوتی ہے، مصنوعہ کے استعمال ہونے والے اجزاء (ذرائع پیداوار اور قوت محنت) کی قدر سے خود مصنوعہ کی قدر کی بڑھت۔(صفحات 176-175)

یہاں اُن بُتروں کے وجود کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو ابتدائی قدر سرمایہ اپنی روپے کی بُنتر ترک کرتے ہوئے، عمل محن کے عناصر میں تبدیل ہو جانے میں اختیار کرتی ہے:

(1) آلاتِ محن کی خریداری میں

(2) قوتِ محن کی خریداری میں۔

آلاتِ محن میں لگایا ہوا سرمایہ پیداواری عمل میں اس کی قدر کی مقدار میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ اس کو ہم بقا پذیر (Constant) سرمایہ کہتے ہیں۔

قوت محن میں سرمائے کا لگایا ہوا حصہ اپنی قدر میں ضرور تبدیلی کرتا ہے؛ اس سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے:

1۔ اس کی خود اپنی قدر

2۔ قدر زائد، یہ تغیر پذیر (Variable) سرمایہ ہے۔ (صفحہ 176)

جب پیداواری عمل تخصیصی طور پر طے شدہ ہو صرف تب ہی سرمایہ اس سے تعلق میں بقا پذیر ہوتا ہے، اس تعلق میں وہ تبدیل نہیں ہوتا؛ یہ بعض صورتوں میں کم آلاتِ محن پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں زیادہ آلاتِ پیداوار پر مشتمل ہوتا ہے، اور خریدے ہوئے آلاتِ محن کی قدر میں کبھی اتار آ سکتا ہے کبھی چڑھاؤ، مگر پیداواری عمل سے ان کے تعلق پر وہ اثر انداز نہیں ہوتا (صفحہ 177) اسی طرح سرمایہ، بقا پذیر اور تغیر پذیر سرمائے میں جس تناسب سے منقسم ہوتا ہے وہ بھی بدل سکتی ہے، لیکن کسی بھی خاص صورت میں C بقا پذیر ہوگا اور V تغیر پذیر۔ (صفحہ 178)

3۔ قدر زائد کی شرح

(The Rate of Surplus Value)

C = 500£ = 410(c) + 90(v)

محنت کے عمل کے آخر میں جس میں v کو قوتِ محن میں بدل دیا جاتا ہے ہمیں یہ حاصل ہوتا ہے:

410c+90v+90s=590

ہم فرض کرتے ہیں کہ بقا پذیر سرمائے c میں 312 خام مال، 44 امدادی مال اور 54 مشینوں کی گھسائی پٹائی پر، کل میزان ہوا 410۔

فرض کیجئے ساری مشینری کی قدر 1054 ہے۔ اگر مجموعی طور پر خرچ ہو جاتی ہے تو مساوات کی دونوں اطراف میں بقا پذیر سرمایہ c بقدر 1410 حاصل ہوتا؛ قدر زائد حسب سابق 90 ہوتی۔ (صفحہ 179)

چونکہ بقا پذیر سرمایہ c کی قدر مصنوعہ میں محض دوبارہ نمودار ہوتی ہے، اس لیے مصنوعہ کی جو قدر ہمیں ملتی ہے وہ اس عمل میں تخلیق ہونے والی قدر سے مختلف ہوتی ہے: موخرالذکر، اس لیے، c+v+s کے برابر نہیں بلکہ v+s کے برابر ہوتی ہے۔ پس قدر زائد کی تخلیق کے عمل میں بقا پذیر سرمائے کی مقدار کوئی حیثیت نہیں رکھتی، یعنی بقا پذیر سرمایہ = صفر (صفحہ 180) عملاً، تجارتی حساب کتاب میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، مثلاً کسی ملک کو اپنی صنعت سے جو منافع ہوتا ہے اس کا حساب لگانے میں درآمد شدہ خام مال کو نفی کر دیا جاتا ہے (صفحہ 181) ملاحظہ ہو سرمایہ کی جلد سوئم، مجموعی سرمائے سے قدر زائد کے تناسب کے لیے۔

چنانچہ: قدر زائد کی شرح ہے s:v اوپر دی ہوئی مثال میں 90:90=100 فیصدی۔

محنت کرنے کا وہ وقت جس میں کوئی محنت کش اپنی قوت محن کی قدر کی تجدید کر لیتا ہے، سرمایہ دارانہ یا دیگر صورت حالات میں، وہ محنِ لازم ہوتا ہے۔ اور اس وقت سے اوپر جاتے ہوئے وہ جتنی قدرِ زائد سرمایہ دار کے لئے پیدا کرتا ہے اُسے محنِ زائد (Surplus Labour) کہتے ہیں۔ (صفحات 184-183) قدر زائد منجمد محن زائد ہوتی ہے اور اسی کو اینٹھنے کی صورت مختلف سماجی تشکیلوں کا فرق نمایاں کرتی ہے۔

مستقل سرمایہ کو شامل کرنے کی غلطی کی مثال صفحات 196-185 (سینئر)

ضروری محنت اور زائد محنت کا حاصل جمع کام کرنے کے دن کے برابر ہوتا ہے۔

4۔ دیہاڑی (The Working Day)

لازمی وقتِ محن مقرر ہوتا ہے۔ محنِ زائد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، لیکن مخصوص حدود کے اندر۔ یہ گھٹا کر کبھی بھی صفر کے برابر نہیں کی جا سکتی کیونکہ پھر سرمایہ دارانہ پیداوار باقی نہیں رہ جاتی۔ جسمانی اسباب کی بنا پر یہ اتنی زیادہ کبھی بھی نہیں ہو سکتی کہ 24 گھنٹے ہو جائے اور، اس کے علاوہ، اخلاقی بنیادوں کا بھی اس کی انتہائی حدود پر ہمیشہ اثر پڑتا ہے۔ مگر یہ حدیں بڑی ہی لچکیلی ہوتی

ہیں۔معاشی مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ یومِ کار مزدور کے تھکے ماندے ہونے کے معمول کی حد سے زیادہ نہ بڑھے۔لیکن معمول ہوتا کیا ہے؟ کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے اور صرف طاقت ہی فیصلہ کر سکتی ہے۔ چنانچہ نارمل یومِ کار کے لیے مزدور طبقے اور سرمایہ دار طبقے کے درمیان جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔(صفحات 202-198)

سابقہ سماجوں میں محنِ زائد۔ جب تک قدر بتادلہ قدر استعمال سے زیادہ اہم نہیں ہوتی محنت زائد ہلکی ہوا کرتی ہے، مثلاً زمانہ قدیم کے لوگوں میں؛ محنت زائد صرف وہاں خوفناک ہوتی تھی جہاں براہ راست قدر مبادلہ، سونے اور چاندی کی پیداوار ہوتی تھی (صفحہ 203) اسی طرح امریکہ کی غلام ریاستوں میں، برآمد کے لیے کپاس کی بڑے پیمانے پر پیداوار شروع ہونے تک اسی طرح بیگار، مثلاً رومانیہ میں۔

بیگار والی محنت سرمایہ دارانہ استحصال سے موازنہ کرنے کی بہترین مثال ہے کیونکہ اول الذکر محنِ زائد کو خاص وقتِ محن کی حیثیت سے متعین اور ظاہر کر دیتی ہے جو کہ انجام دینی ہوتی ہے_ولیشیا میں ''ریگلے منت آرگانیک''۔(صفحہ 206-204)

انگلستان کے فیکٹری قانون محنِ زائد کی ہوس کا منفی اظہار ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ اوپر کی مثال اس کا مثبت اظہار تھی۔

فیکٹری قانون۔1850ء کا۔(صفحہ 207) ساڑھے دس گھنٹے اور ہفتے کو ساڑھے سات گھنٹے = 60 گھنٹے فی ہفتہ۔ مالکان کارخانہ کو اس سے کئی کترانے سے فائدہ۔ (صفحات 211-208)

پابندی سے مستثنیٰ صرف بعد میں زیر پابندی آنے والی شاخوں میں استحصال: فیتہ بیلیں بنانے کی صنعت (صفحہ 212)،ظروف سازی (صفحہ 213)،لیوسیفر ماچس (صفحہ 214) دیواری کاغذ (صفحات 217-214)، نانبائی (صفحات 222-217)، ریلوے ملازمین (صفحہ 223) درزنیں (صفحات 225-223)،لوہار (226) پالیوں میں دن اور رات کے مزدور:(1) دھات سازی اور دھات کی صنعت (صفحات 235-227)۔

یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ محنت کش کو سرمایہ دار قوتِ محن کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے جس کا سارا وقت جہاں تک کسی لمحے یہ ممکن ہوتا ہے، وقتِ محن ہوتا ہے، اور قوتِ محن کے عرصہ حیات کی

طوالت سرمایہ داروں کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی۔(صفحات 238-236) لیکن کیا یہ سرمایہ دار کے مفادات کے برعکس نہیں؟ جو چیز کثرت استعمال سے فرسودہ ہو جائے اس کو بدلنے کی کیا صورت ہے؟ ریاست ہائے متحدہ کے اندرونی علاقوں میں غلاموں کی منظم تجارت نے غلاموں کے ناکارہ ہو جانے کی تیز رفتاری کو معاشی اصول کا درجہ دے دیا ہے، عین اس طرح جس طرح کہ یورپ میں دیہی اضلاع سے محنت کشوں کی رسد کو، وغیرہ۔(صفحہ 239)

محتاج خانوں سے فراہم کی ہوئی قوتِ محن (صفحہ 240)۔ سرمایہ دار صرف یہ دیکھتا ہے کہ فاضل آبادی متواتر فراہم ہوتی رہے اور وہ اس کو کثرت استعمال سے ناکارہ کر دیتا ہے۔ اگر نسل ختم ہوتی ہے تو میری بلا سے۔ میرے بعد سیلاب ہی سیلاب! سرمایہ محنت کش کی صحت یا عرصہ حیات سے سرد مہری دکھاتا ہے۔ تاوقتیکہ سماج کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہ لگے۔۔۔ اور آزاد مقابلہ بازی سرمایہ دارانہ پیداوار کے جبلی قوانین کو بیرونی جبری قوانین کی شکل میں سامنے لیکر آتی ہے جو ہر انفرادی سرمایہ دار پر قدرت رکھتے ہیں۔(صفحہ 243)

یومِ کار کا معمول مقرر کیا جانا، سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان صدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

شروع میں قوانین وقتِ کار کو بڑھانے کے لیے بنائے گئے تھے؛ اب اس کو گھٹانے کے لیے۔(صفحہ 244)

محنت کشوں کا پہلا قانون، ایڈورڈ سوئم کے تیئسویں سال جلوس، 1349ء کا قانون اس بہانے سے منظور کیا گیا تھا کہ طاعون نے آبادی اتنی گھٹا دی ہے کہ ہر ایک کو زیادہ کام کرنا پڑے گا۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ اجرتوں اور یومِ کار کی حد بروئے قانون مقرر کر دی گئی۔

1496ء ہنری ہفتم کے تحت کھیت مزدوروں اور دستکاروں کے لیے یومِ کار گرمیوں میں، مارچ سے ستمبر تک، صبح 5 بجے سے لیکر شام کو 7 اور 8 بجے کے درمیان تک جاری رہتا۔ بیچ میں ایک گھنٹے، ڈیڑھ گھنٹے اور آدھے گھنٹے، کل ملا کر 3 گھنٹے کا وقفہ ہوا کرتا تھا۔ سردیوں میں صبح 5 بجے سے لے کر اندھیرا ہونے تک۔ اس قانون پر کبھی بھی سختی سے عمل درآمد نہیں ہوا۔

اٹھارویں صدی میں پورے ہفتے کی محنت ابھی تک سرمائے کو مہیا نہیں تھی (سوائے زراعتی محنت کے)۔ ملاحظہ ہوں اس زمانے کی اختلافی بحثیں۔(صفحات 251-248)

صرف جدید بڑے پیمانے کی صنعت سے ہی یہ اور اس سے زیادہ کچھ حاصل کیا جا سکا: اس نے تمام حد بندیاں توڑ ڈالیں اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ مزدوروں کا استحصال کیا۔ خود کو منظم کرنے کے ساتھ ہی پرولتاریہ نے مزاحمت شروع کر دی۔

1802-33ء کے پانچ قوانین محض نام کے تھے کیونکہ انسپکٹر کوئی نہیں تھے۔ صرف 1833ء کے قانون نے کپڑا بننے کی چار صنعتوں میں یومِ کار کا معمول بنایا: صبح ساڑھے پانچ بجے سے شام ساڑھے آٹھ بجے تک؛ اس دوران میں 13 سے 18 برس تک کی عمر کے نوجوانوں سے صرف 12 گھنٹے کام لیا جا سکتا تھا جس کے بیچ میں ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ؛ 9 سے 13 برس تک کے بچوں سے صرف 8 گھنٹے جبکہ بچوں اور نوجوانوں کو رات کے وقت کام پر لگانے کی ممانعت تھی۔ (صفحات 55-253)

بدلی کا نظام اور کنی کترانے کے لیے اس کا غلط استعمال (صفحہ 256)۔

انجام کار 1844ء کا قانون جس نے ساری عمروں کی عورتوں کے لیے وہی بنیاد مقرر کر دی جو نوجوانوں کے لیے تھی۔ بچوں کے لیے ساڑھے چھ گھنٹے کی حد مقرر کر دی گئی؛ بدلی کا نظام دب گیا۔ دوسری طرف، بچوں کی 8 سال کی عمر سے اجازت مل گئی۔

آخری یہ کہ 1847ء میں عورتوں اور نوجوانوں کے لیے 10 گھنٹے کا قانون زبردستی منظور کرایا گیا (صفحہ 259)۔ اس کے خلاف سرمایہ داروں کی کوششیں (صفحات 68-260)۔ 1847ء کے قانون میں ایک نقص رہ جانے کا انجام یہ ہوا کہ سمجھوتے کا 1850ء کا قانون منظور ہوا (صفحہ 269)، جس نے نوجوانوں اور عورتوں کے لیے یومِ کار مقرر کیا، 5 دن ساڑھے دس گھنٹے کے، ایک دن ساڑھے سات گھنٹے کا = 60 گھنٹے فی ہفتہ اور وہ صبح 6 بجے سے لے کر شام کو 6 بجے تک کے درمیان۔ ورنہ 1847ء کا قانون بچوں کے لیے نافذ رہا۔ ریشم کی صنعت کے لیے استثنیٰ (ملاحظہ ہو صفحہ 270)۔ 1853ء میں بچوں کے لیے کام کرنے کا وقت صبح 6 بجے سے لیکر شام 6 بجے تک کے درمیان محدود کر دیا گیا۔ (صفحہ 272)

1845ء میں چھاپہ خانے کا قانون تقریباً کسی چیز کو بھی محدود نہیں کرتا، بچے اور عورتیں 16 گھنٹے کام کر سکتے ہیں!

کپڑوں کی دھلائی اور رنگائی کے کارخانے 1860ء فیتے اور بیلوں (لیس) کی فیکٹریاں

1861ء؛ ظروف سازی اور بہت سی دوسری شاخیں 1863ء (فیکٹری قانون کے تحت کھلے میں کپڑے دھونے کے لیے اور پیشہ نانبائی کے لیے خاص قانون منظور کیے گئے)۔ (صفحہ 274)

اس طرح سے بڑے پیمانے کی صنعت پہلے تو وقتِ کار محدود کرنے کی ضرورت پیدا کرتی ہے، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہی حد سے زیادہ کام دوسری تمام شاخوں کو بھی اپنی گرفت میں کر لیتا ہے۔ (صفحہ 277)

تاریخ مزید یہ بھی بتاتی ہے کہ الگ تھلگ ''آزاد'' مزدور سرمایہ دار کے خلاف بے دست و پا ہوتا ہے اور پھر، خصوصاً عورتوں اور بچوں کی محنت کے رواج کے بعد، سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، چنانچہ یہیں مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان طبقاتی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔ (صفحہ 278)

فرانس میں تمام عمر والوں اور کام کی تمام شاخوں کے لیے بارہ گھنٹے کے دن کا قانون صرف 1848ء ہی میں جا کر کہیں منظور کیا گیا تھا (مگر ملاحظہ ہو صفحہ 253، بچوں کی مزدوری کے بارے میں 1841ء کے فرانسیسی قانون پر ذیلی حاشیہ جس کو درحقیقت 1853ء میں کہیں نافذ کیا جا سکا اور وہ بھی صرف صوبہ نورد میں) بلجیم میں مکمل ''آزادی محنت''۔ امریکہ میں آٹھ گھنٹے کے لیے تحریک۔ (صفحہ 279)

چنانچہ محنت کش پیداواری عمل سے نکل کر جب باہر آتا ہے تو اس سے قطعی مختلف ہوتا ہے جیسا کہ وہ داخل ہوا تھا۔ مزدور کا معاہدہ آزاد عامل کا فعل نہیں تھا؛ وہ مدت جس کے لیے اپنی قوتِ محن فروخت کرنے کو وہ آزاد ہے وہی مدت ہے جس کے لیے وہ اسے فروخت کرنے پر مجبور بھی ہے اور مزدوروں کی عام پیمانے کی مخالفت ہی ان کو ایسا قانون منظور کرانے میں کامیاب کراتی ہے جو مزدوروں کو، سرمائے سے رضا کارانہ معاہدے کے ذریعے، اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو غلامی اور موت کے لیے فروخت کرنے سے باز رکھے۔ مسلمہ حقوق انسانی کی شاندار فہرست کامل کی جگہ فیکٹری قانون کا معمولی اعلان نامہ (Magna Charta of the Factory Act) آتا ہے۔ (صفحات 281-280)

5۔قدر زائد کی شرح اور مقدار

(Rate & Mass of Surplus Value)

شرح کے ساتھ مقدار بھی معلوم ہوتی ہے۔اگر ایک قوتِ محن کی یومیہ قدر 3 شلنگ ہو اور قدر زائد کی شرح 100 فیصدی تو اس کی یومیہ مقدار =3 شلنگ فی محنت کش۔

(1) چونکہ تغیر پذیر سرمایہ (Variable Capital) ایک سرمایہ دار کی بیک وقت کام پر لگائی ہوئی محنت کی تمام قوتوں کی قدر کا روپے میں اظہار ہوتا ہے، اس لیے ان کی پیدا کی ہوئی قدر زائد کی مجموعی مقدار تغیر پذیر سرمائے اور قدر زائد کی شرح کے حاصل ضرب کے برابر ہوتی ہے۔دونوں عناصر میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور اس طرح مختلف مجموعے ہو سکتے ہیں۔قدر زائد کی مقدار اس وقت بھی بڑھ سکتی ہے جبکہ تغیر پذیر سرمایہ گھٹتا جا رہا ہو، بشرطیکہ شرح میں اضافہ ہوتا رہے، یعنی بشرطیکہ یومِ کار کی مدت بڑھا دی جائے (صفحہ 282)

(2) قدر زائد کی شرح میں اس اضافے کی اپنی قطعی حد ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ یومِ کار کو پورے 24 گھنٹے تک کبھی بھی نہیں بڑھایا جا سکتا؛ چنانچہ ایک مزدور کی یومیہ پیداوار کی مجموعی قدر کام کرنے کے 24 گھنٹوں کی قدر کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ، قدر زائد کی وہی مقدار حاصل کرنے کے لیے تغیر پذیر سرمائے کی جگہ ان حدوں کے اندر ہی محنت کے استحصال کو بڑھت دی جا سکتی ہے۔یہ چیز سرمائے کے متضاد رجحان سے پیدا ہونے والے مختلف مظاہر کی وضاحت کے لیے اہم ہے:

i۔بقا پذیر سرمایہ اور برسرروزگار مزدوروں کی تعداد گھٹانا؛ اور

ii۔کسی طرح قدر زائد کی زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار پیدا کرنا۔(صفحات 284-283)

(3) قدر اور قدر زائد کی جو مقداریں مختلف سرمائے پیدا کرتے ہیں، وہ خاص قدر اور قوتِ محن کے استحصال کے یکساں بلند درجے کے لیے، ان سرمایوں کے تغیر پذیر اجزاء کی مقداروں کے اعتبار سے براہ راست متعلق ہوتی ہیں۔(صفحہ 285)

ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس سے تمام حقائق کی تردید ہوتی ہو۔

کسی ایک خاص سماج اور خاص یومِ کار کے لیے قدر زائد میں مزدوروں کی تعداد یعنی آبادی بڑھا کر ہی اضافہ کیا جا سکتا ہے؛ مزدوروں کی طے شدہ تعداد کی صورت میں یومِ کار میں توسیع کر

کے۔لیکن یہ صرف مطلق قدرِزائد کے لیے ہی اہم ہے۔

اب پتہ یہ چلتا ہے کہ روپے کی ہر ایک رقم سرمائے میں نہیں بدلی جاسکتی۔ یہ کہ ایک اقل ترین مقدار کا وجود ہے: واحد قوتِ محن کی لاگت اور محنت کے ضروری آلات کی قیمت۔ایک مزدور کی طرح زندگی بسر کرنے کے قابل ہونے کی غرض سے سرمایہ دار کے پاس دو مزدور ہونے ہی چاہئیں، جن کی قدرزائد کی شرح 50 فیصدی ہو، اور پھر بھی اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔آٹھ کے ساتھ بھی وہ ابھی ایک چھوٹا مالک رہے گا۔ چنانچہ قرون وسطی میں لوگوں کو دستکاروں سے سرمایہ داروں میں تبدیل ہو جانے سے زبردستی روکنے کے لیے ان شاگردوں کی تعداد محدود کردی جاتی تھی جو کوئی ایک استاد اپنے ہاں ملازم رکھ سکتا تھا۔ حقیقی سرمایہ دار بنانے کے لیے ضروری اقل ترین دولت کی مقدار مختلف زمانوں اور کاروبار کی شاخوں کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔(صفحہ 288)

سرمائے نے نمو پا کر محنت کی کمان سنبھال لی ہے اور وہ اس بات کا دھیان رکھتا ہے کہ کام باقاعدگی اور شدت کے ساتھ ہو۔اس کے علاوہ، وہ مزدوروں کو اس سے زیادہ کام کرنے پر مجبور کرتا ہے جو ان کی گزراوقات کے لیے ضروری ہے؛ اور زائد محنت چوس کر نکالنے میں وہ پیداوار کے تمام سابقہ نظاموں پر، جو براہ راست لازمی محنت پر مبنی تھے، سبقت حاصل کر لیتا ہے۔

محنت پر سرمایہ ان تکنیکی حالات سمیت حاوی ہو جاتا ہے جو موجود ہوتے ہیں اور پہلے پہل ان کو تبدیل نہیں کرتا۔ چنانچہ پیداواری عمل کو محنت کا عمل تصور کر کے مزدور ذرائع پیداوار کے تعلق سے اس مقام پر نہیں ہوتا جہاں سرمائے کے تعلق سے ہوتا، بلکہ اس مقام پر کہ جیسے وہ اس کے اپنے علم و دانش کی سرگرمی کے ذرائع ہوں۔لیکن قدرزائد تخلیق کرنے کے عمل کی حیثیت سے غور کیا جائے تو اس کے برعکس۔ ذرائع پیداوار دوسروں کی محنت جذب کرنے کے ذرائع بن جاتے ہیں۔

اب محنت کش ذرائع پیداوار کو استعمال کرنے والا نہیں رہ جاتا، بلکہ ذرائع پیداوار ہوتے ہیں جو محنت کش کو کام پر لگاتے ہیں (صفحہ 289)۔اس کے ذریعے مصرف میں آنے کے بجائے، وہ اس کو صرف کرتے ہیں خمیر کی طرح جو خود ان کے اپنے عمل حیات کے لیے ضروری ہو اور سرمائے کا عمل حیات اس کی اس نقل و حرکت پر مشتمل ہوتا ہے جو وہ قدر کی حیثیت سے اپنے آپ کو کئی گنا بڑھانے کے لیے کرتا رہتا ہے۔روپے کی ذرائع پیداوار میں سادہ تبدیلی موخرالذکر کو دوسروں کی محنت اور زائد محنت کی دستاویز ملکیت میں بدل ڈالتی ہے، اس کا حقدار بنا دیتی ہے۔

چوتھا باب

متعلقاتی قدر زائد کی پیداوار

(The Production of Relative Surplus Value)

1۔ متعلقاتی قدر زائد کا تصور

اگر یومِ کار کی طوالت طے شدہ ہو تو لازم محنت گھٹا کر ہی قدرِ زائد میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ نتیجتاً، اُجرتوں کو ان کی قدر سے کم کرنے سے در کنار، اسے محنت کی قدر کم کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے، یعنی گزر اوقات کے ضروری ذرائع کی قیمت گھٹا کر (صفحات 293-291)۔ اس کو اپنی باری میں، محنت کی پیداواری صلاحیت بڑھا کر، خود طریقہ پیداوار میں ایک انقلاب لا کر ہی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

یومِ کار کا دورانیہ بڑھا کر جو قدر زائد پیدا کی جاتی ہے وہ مطلق اور وہ جو کہ لازمی وقت محن گھٹا کر پیدا کی جاتی ہے متعلقاتی قدر زائد ہوتی ہے۔ (صفحہ 295)

قوتِ محن کی قدر گھٹانے کی غرض سے پیداواری قوت میں اضافہ صنعت کی ان شاخوں پر غالب ہونا چاہئے جس کی مصنوعات قوتِ محن کی قدر متعین کرتی ہیں۔ گزر اوقات کے عام وسائل، ان کے بدل، اور ان کا خام مال وغیرہ۔ ثبوت کہ کس طرح مقابلہ بازی بڑھی ہوئی قوت پیداوار کا اظہار شے کی گھٹی ہوئی قیمت میں کرتی ہے۔ (صفحات 299-296)

اشیاء کی قدر، محنت کی کارگزاری کی نسبت معکوس میں ہوتی ہے، اسی طرح قوتِ محن کی قدر بھی، کیونکہ اس کا انحصار اشیاء کی قیمت پر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس متعلقاتی قدر زائد محنت کی کارگزاری سے براہ راست متناسب ہوتی ہے۔ (صفحہ 299)

سرمایہ دار کو اشیاء کی مطلق قدر سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اس قدر زائد سے ہوتی ہے جو ان میں متجسم ہوتی ہے۔ قدر زائد کی وصولیابی میں پیشگی دی ہوئی قدر کی واپسی بھی مضمر ہوتی ہے۔

چونکہ پیداواری قوت بڑھانے کا وہی عمل اشیاء کی قدر گھٹاتا اور ان میں جو قدر زائد شامل ہوتی ہے اس میں اضافہ کرتا ہے، اس لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دار جس کو واحد فکر قدرِ مبادلہ کی پیداوار کی ہوتی ہے، متواتر یہ کوشش کیوں کرتا رہتا ہے کہ اشیاء کی قدرِ مبادلہ گھٹا دے۔ (ملاحظہ فرمایئے کویزنے، صفحہ 300)

چنانچہ سرمایہ دارانہ پیداوار میں پیداواری قوت کو نشو ونما دے کر محنت کی کفایت کا مقصد کسی طرح بھی یہ نہیں ہوتا کہ کام کرنے کے دن کو چھوٹا کر دیا جائے، ممکن ہے کہ موخر الذکر کی مدت اور بھی بڑھا دی جائے۔ اس لیے ہم چاہیں تو میک کولوچ، یورے، سینئر اور انہیں کے ہمنواؤں کی تصنیف کے ایک صفحے پر یہ عبارت پڑھ سکتے ہیں کہ پیداواری قوتوں کو نشو ونما دینے کے لیے محنت کش کو سرمایہ دار کے احسان کا قرض چکانا ہے اور دوسرے صفحے پر یہ لکھا نظر آئے گا کہ اس کو اس احسان مندی کا ثبوت آئندہ 10 کے بجائے 15 گھنٹے کام کر کے دینا چاہیئے۔ پیداواری قوتوں کو نشو ونما دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ضروری محنت کی مدت مختصر کر دی جائے اور سرمایہ دار کی خاطر محنت کرنے کا عرصہ بڑھا دیا جائے۔ (صفحہ 301)

2۔ اشتراکِ عمل (Co-operation)

سرمایہ دارانہ پیداوار کو انفرادی سرمائے (Individual Capital) کی ضرورت ہوتی ہے جو بیک وقت خاصی بڑی تعداد میں مزدوروں کو ملازم رکھنے کے لیے کافی ہو۔ محنت سے اجرت پر کام لینے والا پوری طرح سرمایہ دار تبھی بنتا ہے جب وہ خود محنت کرنے سے پوری طرح آزاد ہو جاتا ہے۔ مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کی، ایک ہی وقت میں، کام کے ایک ہی میدان عمل میں، ایک ہی قسم کی شے کی پیداوار کے لیے، ایک ہی سرمایہ دار کے زیر حکم سرگرمی، تاریخی اور منطقی اعتبار سے سرمایہ دارانہ پیداوار کا نقطۂ آغاز ہوتی ہے۔ (صفحہ 302)

اس لیے پہلے پہل، ماضی سے موازنہ کرنے پر، جبکہ ایک ہی مالک نسبتاً کم تعداد میں مزدوروں کو ملازم رکھا کرتا تھا، فرق صرف مقداری ہوتا ہے۔ لیکن فوراً ہی ایک ترمیم ہوتی ہے۔ محنت کشوں کی بڑی تعداد اس بات کی تو ضمانت کرنے ہی لگ جاتی ہے کہ مالک کو حقیقی اوسط محنت (Real Average Labour) ملے۔ ایسا چھوٹے مالک کے ساتھ نہیں ہوا کرتا، جسے

بہر حال قوتِ محن کی اوسط قدر ادا کرنی ہی پڑتی ہے؛ چھوٹی پیداوار کی صورت میں بڑے پیمانے پر سماج کے لیے تو اس اونچ نیچ کا پاسنگ ہو جاتا ہے، لیکن انفرادی مالک کے لیے نہیں۔ اس طرح قدر زائد کی پیداوار کے قانون کی پوری طرح تعمیل پیداوار حاصل کرنے والے فرد کے لیے صرف اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ وہ سرمایہ دار کی حیثیت سے پیداوار حاصل کرتا ہے اور بیک وقت بہت سے مزدوروں کو کام پر لگاتا ہے، یعنی شروع ہی سے اوسط سماجی محنت استعمال کر کے۔ (صفحات 304-303)

مزید یہ کہ: ذرائع پیداوار میں کفایت ان کے بڑے پیمانے پر استعمال سے ہی ہوتی ہے؛ بقا پذیر سرمائے کے صرف چھوٹے حصے کی مصنوعہ میں منتقلی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ان کو عملِ محن میں محنت کشوں کی کثیر تعداد مل جل کر استعمال میں لائے۔ اس طریقے سے خود عملِ محن سے پہلے ہی آلاتِ محن سماجی خاصا پا لیتے ہیں (اس وقت تک محض ایک جیسے عوامل پہلو بہ پہلو)۔ (صفحہ 305)

ذرائع پیدوار میں کفایت پر یہاں اسی حد تک غور کرنا چاہیے جس حد تک کہ اس سے اشیاء سستی ہو جاتی ہیں اور اس طرح قوتِ محن کی قدر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ پیشگی لگائے ہوئے مجموعی سرمائے (c+v) سے قدر زائد کے تناسب کو یہ کس حد تک بدل دیتی ہے، اس پر غور و خوض جلد سوئم تک ملتوی رکھا جائے گا۔ یہ تقسیم سرمایہ دارانہ پیداوار کی روح سے قطعی مطابقت رکھتی ہے؛ کیونکہ اس سے یہ ہوتا ہے کہ کام کے حالات آزادانہ طور پر مزدور سے مخاصمت میں آجاتے ہیں، ذرائع پیداوار میں کفایت نمایاں طور پر ایک علیحدہ عمل معلوم ہوتی ہے، جس سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور اس لیے ان طریقوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جن سے سرمایہ دار کے مصرف میں آنے والی قوتِ محن کی کارگزاری بڑھائی جاتی ہے۔

کئی افراد کی محنت کی ایسی بُنتر کو، جس میں تمام باقاعدگی سے ایک ساتھ اور کندھے سے کندھا ملا کر ایک ہی پیداواری عمل میں یا متعلقہ پیداواری اعمال میں مصروف ہوں، اشتراکِ عمل کہتے ہیں۔ (صفحہ 306) (''قوتوں کے ملاپ''۔ دیستوت داتریسی)

انفرادی مزدوروں کی میکانیکی قوتوں کا کل میزان اس مضمر میکانیکی قوت سے بہت ہی مختلف ہوتا ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ بہت سے لوگ بیک وقت کسی غیر منقسم عمل میں ایک ساتھ

مل کر حصہ لیتے ہیں (وزن اٹھانا وغیرہ)۔شروع ہی سے عملِ باہم ایک ایسی پیداواری طاقت تخلیق کرتا ہے جو بطور خود ایک اجتماعی قوت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں، بیشتر پیداواری کام میں نرا سماجی تعلق مقابلے بازی کا ایک جذبہ پیدا کرتا ہے جو ہر ایک کی انفرادی کارگزاری بڑھا دیتا ہے، جس کے نتیجے میں 144 گھنٹوں کے مشترکہ کام کے دن میں 12 مزدور ان بارہ مزدوروں سے زیادہ کام نکال دیں گے جو بارہ الگ الگ دیہاڑیوں میں کریں یا ایک مزدور مسلسل بارہ دن تک کام کر کے نکالے۔(صفحہ 307)

چاہے بہت سے لوگ وہی یا ایک ہی طرح کے کام کر رہے ہوں، پھر بھی ہوسکتا ہے کہ ہر ایک مزدور کی انفرادی محنت کام کے عمل کے مختلف مراحل کو ظاہر کر رہی ہو (لوگوں کا ایک سلسلہ جو دست بدست کوئی چیز منتقل کر رہا ہو)، جس سے کہ اشتراکِ عمل پھر محنت بچاتا ہے۔اسی طرح اس وقت ہوتا ہے جب ایک عمارت کی بیک وقت کئی اطراف سے تعمیر شروع کر دی جائے۔ ملے جلے مزدور یا اجتماعی مزدور کے ہاتھ اور آنکھیں آگے بھی ہوتی ہیں اور پیچھے بھی چنانچہ یہ مجموعی طور پر ایک حد تک ہر جگہ موجود شخصیت بن جاتا ہے۔(صفحہ 308)

پیچیدہ امورِ محن میں اشتراکِ عمل اس بات کی گنجائش پیدا کرتا ہے کہ خاص امور کی تقسیم ہو جائے اور وہ بیک وقت انجام دیئے جا سکیں تاکہ مصنوعہ کی تکمیل کا وقتِ محن کم ہو جائے (صفحہ 308)۔

پیداوار کے بہت سے مرحلوں میں ایسا نازک وقت آجاتا ہے جب بہت سارے مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے (فصل کاٹنے کا، ہیرنگ مچھلی کی چڑھائی کا زمانہ وغیرہ) یہاں صرف اشتراکِ عمل ہی کام آسکتا ہے۔(صفحہ 309)

ایک طرف تو اشتراکِ عمل پیداوار کے میدان کو وسیع کر دیتا ہے اور اس طرح ایسے کام کے لیے ضروری ہو جاتا ہے جبکہ کام کے میدان کے لیے وسیع مکانی تسلسل کی ضرورت ہوتی ہے (گندے پانی کی نکاس، سڑکوں کی تعمیر، ڈیم کی تعمیر وغیرہ)؛ دوسری طرف، وہ مزدوروں کو کام کرنے کی ایک جگہ پر مرتکز کر کے میدانِ عمل کو سیکٹر دیتا ہے، جس سے لاگت گھٹ جاتی ہے۔(صفحہ 310)

ان تمام صورتوں میں اشتراکِ عمل مشترکہ یومِ کار کی مخصوص پیداواری طاقت ہوتا ہے،

محنت کی سماجی پیداواری طاقت۔ موخرالذکر خود تعاون سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ عملِ باہم میں مزدور اپنی انفرادی حدود کو ترک کر دیتا اور اپنی انسانی صلاحیتوں کو نشوونما دے لیتا ہے۔

اب، اجرتی مزدور اس وقت تک اشتراکِ عمل میں نہیں آسکتے جب تک کہ ایک ہی سرمایہ دار ان کو بیک وقت کام پر نہ رکھے، ان کو اجرت نہ دے اور انہیں محنت کے آلات فراہم نہ کرے۔ چنانچہ عملِ باہم کے پیمانے کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کس سرمایہ دار کے پاس کتنا سرمایہ ہے۔ یہ شرط کہ کسی سرمائے کے مالک کو سرمایہ دار بنانے کے لیے اس کے پاس سرمائے کی ایک خاص مقدار موجود ہونی چاہئے، اب اس بات کی مادی شرط بن جاتی ہے کہ متعدد منتشر اور ایک دوسرے علیحدہ امورِ محن کو ایک مشترک سماجی عملِ محن میں مرکوز کر دیا جائے۔

اسی طریقے سے محنت پر سرمائے کی کمان اب تک سرمایہ دار اور محنت کش کے تعلق کا محض رسمی نتیجہ تھی؛ اب یہ خود عملِ محن کے لیے ایک لازمی بنیادی شرط ہے؛ عملِ محن میں سرمایہ دار اشتراک کی نمائندگی کرتا ہے۔ اشتراکِ عمل میں عملِ محن کا کنٹرول سرمائے کے وظائف میں سے ہو جاتا ہے اور اس حیثیت میں یہ مخصوص خاصے پالیتا ہے (صفحہ 312)

سرمایہ دارانہ پیداوار کے مقصد کے مطابق (سرمائے کی حتی الامکان زیادہ سے زیادہ، خود میں بڑھت)، یہ کنٹرول ساتھ ہی ساتھ سماجی عملِ محن کے حتی الامکان وسیع تر استحصال کے مخصوص وظائف میں سے بھی ہے، چنانچہ استحصال کنندہ اور استحصال زدہ کے درمیان ناگزیر مخاصمت کا باعث ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں، آلاتِ محن کے مناسب استعمال پر کنٹرول۔ آخر میں یہ کہ مختلف مزدوروں کے وظائف کے درمیان تعلق ان کے دائرۂ کار سے باہر، یعنی سرمائے میں واقع ہوتا ہے، جس کے باعث ان کا اپنا اتحاد انہیں سرمایہ دار کے اختیار سے، ایک بیرونی ارادے کی حیثیت سے دوچار کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ کنٹرول اس طرح دوئی خا ہوتا ہے:

1۔ مصنوعات پیدا کرنے والا ایک سماجی عملِ محن

2۔ سرمائے کا خود توسیعی عمل

اور اپنی بُنتر میں جابرانہ۔ یہ جبر اب خود اپنی مخصوص بُنتریں مرتب کر لیتا ہے: سرمایہ دار جس کو خود حقیقی محنت سے ابھی ابھی نجات ملی ہوتی ہے، فوری نگرانی کے فرائض افسروں اور ماتحتوں کے

ایک دستے کے سپرد کر دیتا ہے، جو بذات خود بھی سرمائے کے اجرتی مزدور ہوتے ہیں۔ غلام داری میں معاشیات دان نگرانی کے ان اخراجات کو غیر بازآور اخراجات کی حیثیت سے شمار کر لیتے ہیں لیکن سرمایہ دارانہ پیداوار میں وہ کنٹرول کو، جہاں تک کہ وہ استحصال سے مشروط ہوتا ہے، بغیر کسی جھجک کے انہیں وظائف میں شمار کرتے ہیں، جہاں تک کہ وہ سماجی عملِ محن کی نوعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ (صفحات 314-313)

صنعت کی قیادت سرمائے کا وصف بن جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ جاگیردارانہ زمانے میں سپہ سالار اور منصف کے فرائض زمینداری کے لوازم تھے (صفحہ 314)

سرمایہ دار 100 علیحدہ علیحدہ محنت کی قوتیں خرید لیتا ہے، اور اس کے بدلے میں اس کو 100 کی اجتماعی قوتِ محن ملتی ہے۔ لیکن وہ 100 کی اجتماعی قوتِ محن کا معاوضہ نہیں دیتا۔ جب محنت کش مشترک عملِ محن میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنے مالک آپ نہیں رہ جاتے؛ وہ سرمائے میں ضم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ محنت کی سماجی پیداواری قوت، سرمائے کی طبعی پیداواری قوت نظر آتی ہے۔ (صفحہ 315)

قدیم مصریوں میں اشتراکِ عمل کی مثالیں۔ (صفحہ 316)

تہذیب انسانی کے آغاز پر شکار کرنے والی قوموں، خانہ بدوشوں میں یا ہندوستانی برادریوں میں زمانہ قدیم کا اشتراکِ عمل مندرجہ ذیل پر مبنی ہے:

(1) ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت پر

(2) قبیلے یا قدیمی برادری سے فرد کے فطری لگاؤ پر

قدیم زمانے میں، قرونِ وسطیٰ میں اور جدید نوآبادیوں میں غیر منضبط اشتراکِ عمل بلا واسطہ طور پر حکمرانی اور تشدد پر، اور بالخصوص غلامی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ اشتراکِ عمل آزاد اجرتی محنت کش کے وجود کو پہلے ہی سے تسلیم کر لیتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ کسان معیشت کے اور خود مختار دستکار کے (خواہ وہ گلڈ میں ہوں یا نہ ہوں) عین برعکس ظاہر ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں ایک ایسی تاریخی بُنتر کے بطور جو سرمایہ دارانہ پیداواری عمل سے مخصوص ہوتا ہے اور اس کا ممیّز خاصہ ہوتا ہے۔ عملِ محن جب سرمایہ کے تابع ہوتا ہے تو یہ وہ پہلی تبدیلی ہوتی ہے جس سے اس کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس طرح، یہاں فوراً ہی:

(1) سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار اپنے آپ کو عملِ محن کے سماجی عمل میں تبدیل ہونے کی ایک تاریخی شرط کی حیثیت سے پیش کرتا ہے

(2) عملِ محنت کی یہ سماجی بُنتر محنت کی کارگزاری میں اضافہ کر کے سرمایہ کے ذریعہ اس کے زیادہ منافع بخش استحصال کے طریقے کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتی ہے۔ (صفحہ 317)

اشتراکِ عمل، ابھی تک جیسے کہ اس پر غور کیا جا چکا ہے، اپنی ابتدائی شکل میں نسبتاً بڑے پیمانے کی پیداوار پر منطبق ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی ایسی متعینہ بُنتر کی ترکیب نہیں کرتا جو کسی خاص دور سے، سرمایہ دارانہ پیداوار سے کرداری صفت کی حیثیت سے مخصوص ہو، اور یہ آج بھی موجود ہے جبکہ سرمایہ تقسیمِ محن یا مشینری کے کوئی اہم کردار ادا کرنے کے بغیر بڑے پیمانے پر مصروف عمل ہے۔ اس طرح، اشتراکِ عمل اگرچہ پورے سرمایہ دارانہ پیداواری عمل کی بنیادی بُنتر ہوتی ہے، اس کی ابتدائی بُنتر ایک مخصوص بُنتر کی حیثیت سے اس کی زیادہ ترقی یافتہ بُنتروں کے پہلو بہ پہلو نمودار ہوتی ہے۔ (صفحہ 318)

3۔ تقسیمِ محن اور مینوفیکچر (1)

مینوفیکچر جو تقسیمِ محن پر مبنی اشتراکِ عمل کی کلاسیکی بُنتر ہے، کوئی 1550ء سے 1770ء تک غالب نظر آتی ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) یا تو ایسی مختلف دستکاریوں کے یکجا ہونے کے ذریعے جن میں سے ہر ایک کوئی جزئی (Detail) عمل انجام دیتی ہو (مثلاً گاڑیاں بنانا)، جس کے باعث انفرادی دستکار جلد ہی پوری دستکاری چلانے کی اپنی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، دوسری طرف، اپنا جزئی کام اتنا ہی بہتر انجام دینے لگتا ہے؛ چنانچہ یہ پورے کام کی اس کے اجزاء میں تقسیم کا عمل بن جاتا ہے۔ (صفحات 319-318)

(2) یا بہت سے دستکار جو ایک ہی یا ایک ہی جیسا کام کر رہے ہوں ایک ہی کارخانے میں متحد کر دیے جاتے ہیں اور انفرادی امور، بجائے اس کے کہ ایک ہی مزدور یکے بعد دیگرے انجام دے۔ رفتہ رفتہ الگ کر دیئے جاتے ہیں اور کئی مزدور بیک وقت انجام دیتے ہیں (سوئیاں وغیرہ)۔ تیار مال بجائے اس کے کہ ایک ہی کاری گر کا انجام دیا ہوا کام ہو اب کئی کاریگروں کی یکجائی کا کارنامہ بن جاتا ہے، جن میں سے ہر ایک کوئی ایک جزوی کام انجام دیتا ہے۔ (صفحات 320-319)

دونوں صورتوں میں ان کا نتیجہ ایک پیداواری میکانیزم ہے جس کے پرزے انسان ہوتے ہیں۔کام دستکاری کی خاصیت برقرار رکھتا ہے۔ ہر جزئی عمل جس میں سے تیار ہونے والے مال کو گزرنا پڑتا ہے ہاتھ سے انجام دینا ہوتا ہے؛ چنانچہ پیداواری عمل کا کوئی عملی تجزیہ خارج از بحث ہے۔انفرادی طور پر ہر مزدور جزوی امر سے،محنت کی دستکارانہ نوعیت کے باعث گویا زنجیر سے مکمل طور پر بندھا ہوتا ہے۔(صفحہ 321)

اس طریقے سے دستکار کے مقابلے میں،محنت کی بچت ہوتی ہے اور آئندہ نسلوں میں اس کے منتقل ہونے سے اس میں اور بھی زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مینوفیکچر میں تقسیمِ محن سابقہ سماجوں کے اس رجحان سے مطابقت رکھتی ہے کہ پیشے کو موروثی بنا دیا جائے۔ ذاتیں،گلڈیں۔(322)

مختلف جزوی امور کی مناسبت کے ذریعے اوزاروں کی ذیلی تقسیم۔ برمنگھم میں 500 قسموں کے ہتھوڑے۔(323-324)

مینوفیکچر پر اگر اس کے مجموعی میکانیزم کے حوالے سے غور کیا جائے تو اس کے دو پہلو ہیں: یا تو ایک دوسرے آزاد جزوی مصنوعات کا محض میکانیتی اجتماع (گھڑی) یا ایک ہی کارگاہ میں ایک دوسرے سے منسلک امور کا ایک سلسلہ (سوئی)۔

مینوفیکچر میں مزدوروں کا ہر گروہ دوسرے گروہ کو ضروری کچا مال فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ ہر گروہ ایک معینہ مقدار معینہ مدت میں تیار کرے؛ اس طرح محنت کا تسلسل، باقاعدگی، یکسانیت اور شدت کی اس سے بالکل ہی مختلف شکل پیدا ہوتی ہے جو کہ اصل اشتراکِ عمل میں ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم کو پیداواری عمل کا ایک تکنیکی قانون فراہم ہوتا ہے: یہ کہ محنت سماجی اعتبار سے ضروری محنت ہو۔(صفحہ 329)

انفرادی امور میں وقت کی نابرابری لازم کر دیتی ہے کہ مزدوروں کے مختلف گروہ تعداد کے اعتبار سے چھوٹے بڑے ہوں (حروف کی ڈھلائی میں: چار ڈھلیوں اور دو توڑنے والوں کے تناسب میں ایک گھسائی کرنے والا)۔ چنانچہ مینوفیکچر اجتماعی مزدور کے کئی اعضاء کی عددی حد کا ریاضیاتی اعتبار سے ایک مقررہ تناسب قائم کر دیتی ہے اور پورے گروہ کے جزو ضربی کے حساب سے مزدوروں کو کام پر لگا کر ہی پیداوار میں توسیع کی جا سکتی ہے۔مزید یہ کہ، پیداوار کی ایک قطعی سطح

حاصل ہو جانے کے بعد ہی بعض امور کو غیر منحصر بنانا سود مند ہوتا ہے: نگرانی، مصنوعات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈھونا، وغیرہ۔ (صفحات 330-329)

مختلف مینوفیکچریوں کا ایک متحد مینوفیکچر میں آجانا بھی عمل میں آتا ہے۔ مگر ابھی تک اس میں اصل ٹیکنیکی اتحاد کا فقدان ہوتا ہے جو کہ مشینری کے ساتھ ہی ظہور میں آتا ہے۔ (صفحہ 331)

کارخانہ داری میں مشینیں شروع میں نمودار ہو گئی تھی، خال خال، اناج پیسنے اور کوٹنے کی چکیاں وغیرہ، لیکن محض کسی ضمنی چیز کی طرح۔ مینوفیکچر کی خاص مشینری یکجا اجتماعی مزدور ہوتا ہے، جس کے پاس پرانے، انفرادی، دستکاری کے مزدور سے کہیں زیادہ اعلیٰ درجے کی پختہ کاری ہوتی ہے اور جس میں تمام خامیاں، جو کہ جزوی مزدور میں لازماً پیدا ہو جایا کرتی ہیں، مہارت کی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہیں۔ (صفحہ 333) کارخانہ داری جزوی کام کرنے والے ان مزدوروں میں ہنر مند اور غیر ہنر مند کا فرق نمایاں کرتی ہے اور یہاں تک کہ مزدوروں کی ایک مکمل درجہ بندی کر ڈالتی ہے۔ (صفحہ 334) تقسیم محنت: (1) عام (زراعت، صنعت، جہاز سازی وغیرہ، (2) خاص (نوع اور ضمنی نوع)؛ (3) تفصیلی (کارگاہ کے اندر)۔ محنت کی سماجی تقسیم کئی نقطوں سے آگے بڑھ کر ترقی کرتی ہے۔: (1) کنبے اور قبیلے کے اندر جنس اور عمر کے اعتبار سے قدرتی تقسیم محنت، و نیز پڑوسیوں پر تشدد کے ذریعے غلامی، جو کہ اس کی توسیع کرتی ہے۔ (335)؛ (2) مختلف برادریاں مقام، آب و ہوا اور تہذیبی سطح کے مطابق مختلف حاصل پیداوار فراہم کرتی ہیں جن کا وہاں تبادلہ کر لیا جاتا ہے جہاں یہ برادریاں تعلق میں آتی ہیں۔ (صفحہ 49) تو پھر غیر برادریوں سے تبادلہ خود برادری کے اندر قدرتی تقسیم محنت کی مزید نشو و نما کے ذریعے قدرتی تعلق باہمی کو توڑنے کا خاص وسیلہ ہوتا ہے۔ (صفحہ 335)

کارخانہ داری میں تقسیم محنت سماجی تقسیم محنت کے ایک حد تک ارتقاء ہو جانے کو پہلے ہی تسلیم کر لیتی ہے؛ دوسری طرف، وہ موخر الذکر کو مزید نشو و نما دیتی ہے۔ جیسے کہ محنت کی علاقائی تقسیم میں (صفحات 338-337) بایں ہمہ، سماجی تقسیم محنت اور کارخانہ داری میں تقسیم محنت کے درمیان یہ فرق ہمیشہ رہتا ہے کہ اول الذکر لازمی طور پر اشیائے تجارت پیدا کرتی ہے جبکہ موخر الذکر میں جزوی مزدور اشیائے تجارت پیدا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ موخر الذکر میں ارتکاز اور تنظیم ہوتی ہے، اول الذکر میں انتشار اور مقابلہ بازی کے لیے بد نظمی ہوتی ہے۔ (صفحات 341-339)

ہندوستانی برادریوں کی شروع زمانے کی تنظیم (صفحات 342-341)

ہم پیشہ انجمنیں (صفحات 344-343)۔ان سب میں سماج کے اندر کی تقسیم محنت موجود ہے، کارخانہ داری میں تقسیم محنت سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی ایک خاص تخلیق ہے۔

جس طرح تعاون میں ہوتا ہے اسی طرح کارخانہ داری میں بھی فعال باعمل نظام سرمائے کے وجود کی ایک شکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محنتوں کے اشتراک عمل سے نمودار ہونے والی پیداواری قوت سرمائے کی پیداواری قوت معلوم ہوتی ہے۔لیکن جہاں تعاون فرد کے کام کرنے کے طرز کو بحیثیت مجموعی جوں کا توں رہنے دیتا ہے کارخانہ داری اس میں انقلاب لے آتی ہے، مزدور کو اپاہج کر دیتی ہے؛ آزادانہ طور پر اشیاء پیدا کرنے کے قابل نہ رہ کر اب وہ سرمایہ داری کی کارگاہ کا دم چھلا بن جاتا ہے۔ جہاں تک بہت ساروں کا تعلق ہوتا ہے، محنت کی دانشورانہ صلاحیتیں غائب ہو جاتی ہیں تا کہ ایک ہی کے لیے امکانات وسیع ہو جائیں۔کارخانہ داری میں تقسیم محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت کشوں کا آمنا سامنا محنت کے عمل کی دانشورانہ مضمر صلاحیتوں سے دوسرے کی ملکیت اور حکمران طاقت کی حیثیت سے ہوتا ہے۔علیحدگی کا یہ عمل، جو بہت جلدی یعنی تعاون کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور کارخانہ داری میں نشوونما پاتا ہے، جدید صنعت میں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، جو علم کو آزاد پیداواری قوت کی حیثیت سے محنت سے الگ اور اسے سرمائے کی خدمت پر مامور کر دیتا ہے۔(صفحہ 346)

وضاحت کرنے والے اقتباسات (صفحہ 347)

کارخانہ داری ایک رخ سے سماجی محنت کی ایک قطعی تنظیم ہوتی ہے، دوسرے رخ سے نسبتی قدر زائد (Relative Surplus Value) پیدا کرنے کا ایک مخصوص طریقہ (صفحہ 350)۔اس میں اس کی تاریخی اہمیت۔کارخانہ داری کی کلاسیکی دور میں بھی نشوونما اور ترقی میں رکاوٹیں غیر ہنرمند مزدوروں کی تعداد کا محدود ہونا ہے کیونکہ ہنرمندوں کی غالب اکثریت بھی؛ عورتوں اور بچوں کے کام کا محدود ہونا کیونکہ مرد مزاحمت کرتے تھے؛ ابھی حال حال تک شاگردی کے قوانین پر وہاں بھی اصرار جہاں وہ فاضل ہو گئے تھے؛ مزدوروں کی متواتر نافرمانبرداری کیونکہ اجتماعی مزدور کے پاس ابھی تک مزدوروں سے آزاد کوئی ڈھانچہ موجود نہیں ہے؛ مزدوروں کی ہجرت (صفحات 354-353)

علاوہ ازیں، خود مینوفیکچر پوری سماجی پیداوار انقلابی انداز میں تبدیل کرنے کی یا یہاں تک کہ اس پر غالب ہونے کی بھی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی تنگ تکنیکی بنیاد اُن پیداواری ضرورتوں سے مخاصمت میں آ گئی جو خود اس کی پیدا کی ہوئی تھیں۔ مشین لازمیت کا درجہ اختیار کر گئی اور مینوفیکچر پہلے ہی سیکھ گئی تھی کہ وہ کیسے بنائی جائیں۔ (صفحہ 355)

4۔ مشینری اور جدید صنعت

i۔ مشین بجائے خود

طبعِ پیداوار میں انقلاب، جس کا آغاز مینوفیکچر میں قوتِ محن سے ہوتا ہے، یہاں آلاتِ محن سے شروع ہوتا ہے۔ تمام مکمل طور سے ترقی یافتہ مشینری مشتمل ہوتی ہیں

(1) حرکت دینے والی میکانیت پر

(2) انتقالی میکانیت پر

(3) اوزار یا کام کرنے والی مشین پر (صفحہ 357)

اٹھارویں صدی کا صنعتی انقلاب کام کرنے والی مشین سے شروع ہوا تھا۔ اس کے اوصاف کی تخصیص اس طرح ہوتی ہے کہ اوزار ___ کم وبیش ترقی یافتہ شکل میں ___ انسان سے مشین میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور وہ انسان کے چلانے سے مشین کے ذریعے کام کرتا ہے۔ شروع شروع میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ حرکی قوت انسانی ہے یا قدرتی۔ خاص فرق یہ ہے کہ انسان صرف اپنے اعضا ہی استعمال کرتا ہے جبکہ مشین، بعض حدود کے اندر، ضرورت کے مطابق کئی اوزاروں سے کام لے سکتی ہے (چرخہ، ایک تکلہ: جینی مشین، بارہ سے اٹھارہ تکلوں تک)۔

اب تک چرخے کے پائیدان میں، یعنی محرک قوت میں نہیں بلکہ تکلے میں صنعتی انقلاب کا اثر آیا ہے، شروع میں ابھی ہر جگہ انسان ہی بیک وقت حرکی قوت بھی ہے اور نگران بھی۔ اس کے برعکس کام کرنے کی مشین کے انقلاب نے پہلے دخانی انجن کی تکمیل کو ایک ضرورت بنا دیا اور پھر اس پر عمل درآمد بھی کیا۔ (صفحات 362-359)

جدید صنعت میں دو طرح کی مشینیں: یا تو (1) ایک جیسی مشینیں اشتراکِ عمل میں (پاور لوم، لفافے بنانے کی مشین جو کئی جزئی مزدوروں کا کام مختلف اوزاروں کے باہم اجتماع کے ذریعے ملا

دیتی ہے۔)،اس صورت میں تکنیکی وحدت، انتقالی اور محرک قوت کے ذریعے پہلے ہی پیدا کی جا چکی ہوتی ہے؛ یا (2) مشینی نظام، مختلف جزوی امور انجام دینے والی مشینوں کا اجتماع (کتائی کا کارخانہ)۔

اس کی قدرتی بنیاد مینوفیکچر میں تقسیمِ محن ہوتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی ایک لازمی فرق۔ مینوفیکچر میں ہر جزوی عمل کو محنت کش سے مطابقت میں لانا پڑتا تھا، یہ یہاں ضروری نہیں رہ جاتا: عملِ محن کو اس کے اجزائے ترکیبی میں معروضی طور سے تقسیم کیا جا سکتا ہے، جسے پھر سائنس پر چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس پر مبنی تجربے پر کہ مشینیں اس پر کمال حاصل کریں۔ یہاں مزدوروں کے کئی گروہوں کے عددی تناسب کو مشینوں کے کئی گروہوں کے تناسب کے بطور دوہرایا جاتا ہے۔ (صفحات 366-363)

دونوں صورتوں میں فیکٹری ایک بڑی خود کار چیز ہے (مزید یہ کہ اس کی اس درجے تک تکمیل ابھی حال ہی میں مکمل ہوئی ہے) اور یہ اس کی موزوں شکل ہے (صفحہ 367)۔اور اس کی کامل ترین شکل مشین ساز خود کاری ہے، جس نے بڑے پیمانے کی صنعت کی دستکاری اور مینوفیکچر کی بنیاد کو ختم کر دیا اور اس طرح پہلی بار مشینوں کی پختہ شکل فراہم کی۔ (صفحات 372-369)

مختلف شاخوں، یہاں تک کہ ذرائع رسل و رسائل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے درمیان تعلق۔ (صفحہ 371)

مینوفیکچر میں مزدوروں کا باہم اجتماع موضوعی ہوتا ہے۔ یہاں معروضی مشینی پیداواری کُل ہے، جو مزدوروں کو تیار مل جاتا ہے اور جو اپنے وظائف صرف اجتماعی محنت کے ذریعے ہی انجام دے سکتا ہے۔محنت کے عمل کا اشتراکی خاصہ اب ایک تکنیکی لازمیت ہے۔ (صفحہ 372)

اشتراکِ عمل اور تقسیمِ محن سے جو پیداواری قوتیں پیدا ہوتی ہیں اُن پر کوئی روپیہ نہیں خرچ ہوتا؛ قدرتی قوتوں: بھاپ، پانی پر بھی کوئی خرچہ نہیں آتا۔نہ ہی سائنس کی دریافت شدہ قوتوں پر۔مگر موخرالذکر کی دستیابی صرف مناسب آلات سے ہو سکتی ہے، جس کو صرف زر کثیر خرچ کر کے ہی بنایا جا سکتا ہے؛ اسی طرح کام کرنے والی مشینیں پرانے اوزاروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ داموں کی ہوتی ہیں۔

لیکن اوزار کی بہ نسبت یہ مشینیں کہیں زیادہ عرصے تک کام دیتی ہیں اور ان کی پیداوار کا دائرہ

وسیع تر ہوتا ہے؛ اس لیے وہ مصنوعہ میں اوزاروں کی بہ نسبت قدر کا بہت چھوٹا حصہ منتقل کرتی ہیں۔ اور اس وجہ سے مشین کی انجام دی ہوئی مفت خدمت (جو تیار مال کی قدر میں دوبارہ نمودار نہیں ہوتی) اوزار کی انجام دی ہوئی ایسی خدمت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ (صفحات 376-374)

پیداوار کے ارتکاز کے ذریعے لاگت میں کمی جدید صنعت میں مینوفیکچر کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ (صفحہ 375)

تیار مال کی قیمتیں ثابت کرتی ہیں کہ مشین نے پیداوار کتنی سستی کر دی ہے، اور یہ کہ آلاتِ محن کے باعث قدر کا حصہ نسبتاً بڑھ جاتا ہے لیکن اس میں مطلق کمی ہو جاتی ہے۔ مشین کی کارگزاری کی پیمائش اس حد سے کی جاتی ہے جس حد تک وہ انسانی قوتِ محن کی جگہ لیتی ہے۔ مثالیں (صفحات 379-377)

فرض کیا کہ ایک دخانی ہل 150 مزدوروں کی جگہ لے لیتا ہے جن کو تین ہزار پاؤنڈ سالانہ اجرت ملتی تھی، یہ سالانہ اجرت اس تمام محنت کو ظاہر نہیں کرتی جو انہوں نے انجام دی تھی، بلکہ صرف محنِ لازم (Necessary Labour) کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ اس کے علاوہ محنِ زائد (Surplus Labour) بھی انجام دیتے ہیں۔ اگر دخانی ہل کی قیمت 3 ہزار پاؤنڈ ہو تو وہ روپے کی صورت میں اس تمام محنت کا اظہار ہے جس کی اس میں تجسیم ہو چکی ہے۔ اس طرح سے مشین کی قیمت اتنی ہی ہو جتنا کہ اس قوتِ محن کا خرچ جس کی جگہ وہ لیتی ہے، تو اس میں تجسیم شدہ انسانی محنت ہمیشہ اس سے بہت کم ہوتی ہے جس کی جگہ وہ لیتی ہے۔ (صفحہ 380)

پیداوار سستی کرنے کے ذریعے کی حیثیت سے مشین کا خرچ اس محنت کے خرچ سے کم ہونا چاہیے جس کی جگہ اس نے لی ہو۔ لیکن سرمائے کے لیے اس کی قدر اس قوتِ محن سے کم ہونی چاہئے جس کی جگہ اس نے لی ہو۔ اس لیے جن مشینوں سے انگلستان میں منافع نہیں ہوتا، ممکن ہے امریکہ میں ان سے ہو (مثلاً پتھر توڑنے کے لیے) چنانچہ بعض قانونی پابندیوں کے نتیجے میں جو مشینیں سرمائے کے لیے پہلے سود مند نہیں تھیں ممکن ہے کہ اچانک نمودار ہو جائیں۔ (صفحہ 381-380)

ii۔مشینری کے ذریعے قوت محنت پر تصرف

چونکہ مشینری میں بذات خود متحرک قوت موجود ہوتی ہے، اس لیے عضلاتی قوت (Muscular Power) قدر میں گھٹ جاتی ہے۔عورتوں اور بچوں کی محنت، کنبے کے ان افراد کو، جو پہلے اجرت پر کام نہیں کیا کرتے تھے، بھرتی کرائے جانے کی وجہ سے اجرتی مزدوروں کی تعداد میں فوری اضافہ ہو جاتا ہے۔اس طرح مرد کی قوتِ محن کی قدر پورے کنبے کی قوتِ محن میں پھیل جاتی ہے، یعنی گھٹ جاتی ہے۔اب ایک کی جگہ چار افراد کو نہ صرف محنت بلکہ سرمائے کے لیے محنِ زائد بھی کرنی پڑے گی تا کہ ایک کنبے کی گزر اوقات ہو سکے۔اس طرح مادی استحصال میں اضافے کے ساتھ ساتھ استحصال کی شدت کا درجہ بھی بڑھ جاتا ہے۔(صفحہ 383)

اس سے پہلے قوتِ محن کی خرید اور فروخت آزاد اشخاص کے درمیان ایک تعلق ہوا کرتا تھا؛ اب نابالغوں یا بچوں کو خریدا جاتا ہے؛ مزدور اب بیوی اور بچوں کو فروخت کر دیتا ہے، وہ غلاموں کا سوداگر بن جاتا ہے۔مثالیں (صفحات 385-384)

جسمانی ابتری۔مزدوروں کے بچوں کی ہلاکتیں

صنعتیائی ہوئی زراعت میں بھی ٹولی کا نظام۔(صفحہ 387)

اخلاقی زوال (صفحہ 389)۔تعلیمی دفعات اور کارخانہ داروں کی جانب سے ان کی مزاحمت (صفحہ 390)

فیکٹری میں عورتوں اور بچوں کا داخلہ آخر کار سرمائے کی مطلق العنانی کے خلاف مرد مزدوروں کی مزاحمت کو ختم کر دیتا ہے۔(صفحہ 391)

اگر مشین کسی چیز کی تیاری کا وقتِ محن کم کر دیتی ہے تو یہ سرمائے کے ہاتھوں میں یومِ کار کی مدت کو اس معمول کے مطابق حدود سے کہیں زیادہ طول دے دینے کا طاقتور ترین حربہ بن جاتا ہے۔اس سے ایک طرف تو وہ نئے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جو سرمائے کو ایسا کرنے کے قابل کر دیتے ہیں اور دوسری طرف ایسا کرنے کے نئے محرکات۔

مشینری دائمی حرکت کی صلاحیت رکھتی ہے اور اسے صرف اس پر کام کرنے والی قوتِ محن کی کمزوری اور کام کرنے کی حد ہی محدود کر سکتی ہے۔جو مشین بیس گھنٹے روزانہ کام کر کے ساڑھے سات برس میں گھس گھسا جاتی ہے سرمایہ دار کے لیے ٹھیک اتنی ہی زائد محنت جذب کرتی ہے، لیکن

نصف مدت میں، جتنی کہ دوسری جو کہ دس گھنٹے روزانہ کام کر کے پندرہ برس میں گھس گھسا جاتی ہے۔(صفحہ 393)

اس طریقے سے مشین کے اخلاقی زوال کا، نئی وضع کی مشین کے رواج کے باعث، خدشہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔(صفحہ 394)

اس کے علاوہ محنت کی نسبتاً بڑی مقدار عمارتوں اور مشینوں کی صورت میں سرمایہ کاری میں اضافے کے بغیر، جذب ہو جاتی ہے؛ اس طرح یومِ کار کا دورانیہ بڑھانے سے نہ صرف قدر زائد بڑھتی ہے بلکہ اس کو حاصل کرنے کے لیے لگائی جانے والی رقم بھی نسبتاً گھٹتی ہے۔ یہ اس وقت زیادہ اہم ہوتا ہے جبکہ بقا پذیر سرمائے کا حصہ زیادہ بڑی حد تک حاوی ہوتا ہے، جیسا کہ بڑے پیمانے کی صنعت میں ہوا کرتا ہے۔(صفحہ 395)

مشینری کے پہلے دور میں جبکہ اس کو اجارہ داری کی خاصیت حاصل ہوتی ہے، منافعے بے پناہ ہوتے ہیں ___ چنانچہ مزید کا لالچ اور یومِ کار کے دورانیے کی توسیع کی خواہش بہت زیادہ، بے حد ہوا کرتی ہے۔ عام پیمانے پر مشین کے رائج ہونے سے اجارہ دارانہ منافع غائب ہو جاتا ہے اور وہ قانون اپنے آپ کو مسلط کرتا ہے کہ قدر زائد اس محنت سے پیدا نہیں ہوتی جس کی جگہ مشین لے لیتی ہے بلکہ اس محنت سے حاصل ہوتی ہے جس کو وہ کام پر لگاتی ہے، یعنی تغیر پذیر سرمائے سے۔ لیکن مشینی پیداوار کے تحت موخر الذکر بڑی مقدار کی سرمایہ کاری سے لازمی طور پر کم ہو جاتا ہے۔ اس طرح سرمایہ دارانہ طریقے سے مشینری کے استعمال میں ایک جبلی تضاد ہوتا ہے: سرمائے کی ایک مقدار کے لیے یہ قدر زائد کے ایک عنصر، یعنی اس کی شرح میں اضافہ، دوسرے عنصر یعنی مزدوروں کی تعداد کو گھٹا کر ہی کرتی ہے۔ جیسے ہی مشین کی بنی شے کی قدر، اس شے میں باقاعدگی لانے والی سماجی قدر بن جاتی ہے، ویسے ہی یہ تضاد سامنے آ جاتا ہے اور یومِ کار طویل کرنے کی جانب پھر سے ہنکا کر لے جاتا ہے۔(صفحہ 397)

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مشینری ___ کام کرنے والے مزدوروں کی جگہ لے کر اور عورتوں اور بچوں کو کام پر لگا کر ___ کام کرنے والی فاضل آبادی پیدا کر دیتی ہے، جس سے سرمایہ اپنا آمرانہ قانون مسلط کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس طرح مشین یومِ کار کی تمام اخلاقی اور قدرتی حد بندیوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ پس یہ تضاد کہ وقتِ محن کو گھٹانے کا طاقتور ترین وسیلہ فی الاصل

محنت کش اور اُس کے کنبے کے پورے عرصۂ حیات کو سرمائے کی قدر بڑھانے کے لیے دستیاب وقتِ محن میں تبدیل کرنے کا وسیلہ ہے۔(صفحہ 398)

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ یہاں یومِ کار کا معمول مقرر کرنے سے کیا سماجی ردعمل ہوتا ہے؛ اس کی بنیاد پر اب محنت میں شدت لانے کا عمل پیدا ہوتا ہے۔(صفحہ 399)

شروع میں، مشین کی رفتار بڑھانے سے محنت کی شدت میں اضافہ وقت محنت طویل کرنے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔لیکن جلدی ہی ایک ایسا مقام آن پہنچتا ہے جہاں دونوں ایک دوسرے کو خارج کر دیتے ہیں۔لیکن جب وقت محنت محدود کیا جاتا ہے تو بات مختلف ہوتی ہے۔شدت میں اضافہ ممکن ہے؛ 10 گھنٹے میں بھی اتنا کام کیا جاسکتا ہے جتنا کہ معمولی طور پر 12 یا اس سے زیادہ میں، اور اب زیادہ شدت یومِ کار شمار میں ایسے آتا ہے کہ جیسے اس کی قوت بڑھا دی گئی ہو اور محنت کی پیمائش نہ صرف اس کے دورانیے سے بلکہ اس کی شدت سے بھی کی جاتی ہے۔(صفحہ 400)۔ چنانچہ 5 گھنٹے کی لازم اور 5 گھنٹے کی زائد محنت میں اتنی ہی قدر زائد حاصل کی جاسکتی ہے جتنی کہ کم شدت پر 6 گھنٹے کی لازم اور 6 گھنٹے کی زائد محنت سے۔(صفحہ 400)

محنت میں شدت کس طرح پیدا کی جاتی ہے؟ مینوفیکچر میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے (نوٹ 159 صفحہ 401)، مثلاً ظروف سازی وغیرہ میں یومِ کار کو محض چھوٹا کر دینا کارگزاری میں زبردست اضافہ کر دینے کو کافی ہوتا ہے۔مشینی محنت میں اس میں کہیں زیادہ شبہ تھا۔لیکن ر۔ گارڈنر کا ثبوت (صفحہ 402-401)

جیسے ہی مختصر یومِ کار قانون بن جاتا ہے، ویسے ہی مشین مزدور سے زیادہ شدت کی محنت نچوڑنے کا وسیلہ بن جاتی ہے، یا تو زیادہ تیز رفتاری کے ذریعے یا مشینوں کی تعداد کی نسبت کم لوگوں کو کام پر لگا کر۔مثالیں (صفحات 407-403)۔اس بات کا ثبوت کہ مالدار ہونے اور فیکٹری کی توسیع، دونوں عمل ساتھ ساتھ ہوئے۔(صفحات 409-407)

iii۔فیکٹری کلیتاً اپنی کلاسیکی شکل میں

فیکٹری میں اوزاروں کو سلیقے سے برتنے کی نگہبانی مشین کیا کرتی ہے؛ اس لیے مینوفیکچر میں محنت کے جو خاصیتی امتیازات پیدا ہوئے تھے وہ یہاں ختم ہو جاتے ہیں؛ محنت کو زیادہ سے زیادہ

حد تک ایک ہی سطح پر لے آیا جاتا ہے۔ عمر اور جنس کا فرق بھی کافی حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تقسیم محنت مزدوروں کو خصوصی مشینوں کے درمیان تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ یہاں تقسیم صرف خاص مزدوروں کے جو واقعی اوزار پر کام کرتے ہوں اور مشینوں میں مال ڈالنے والوں کے درمیان ہوتی ہے (یہ صرف خود کار طاقت سے چلنے والی ٹیکسٹائل مشین کے بارے میں درست ہے، کبھی کبھار تھروٹل مشین میں اور اس سے بھی کم طاقت سے چلنے والی پاور لوم میں)؛ مزید برآں نگران، انجینئر، گودام میں کام کرنے والے، مستری وغیرہ ایک وہ طبقہ جو مصنوعی طور پر فیکٹری کے ساتھ یکجا کر دیا جاتا ہے۔ (صفحہ 412-411)

ایک خود کار مشین کی متواتر حرکت سے مانوس ہونے کے لیے مزدور کو بچپن سے تربیت کی ضرورت ہے، لیکن یہ کسی طرح نہیں کہ مزدور زندگی بھر ایک جزئی کام پورا کرنے کا پابند رہے جیسے کہ مینوفیکچر میں ہے۔ ایک ہی مشین پر عملہ تبدیل ہو سکتا ہے (ادلی بدلی کا نظام)؛ اور چونکہ سیکھنے میں ذرا سی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے مزدوروں کو ایک وضع کی مشینوں سے دوسری وضع کی مشینوں پر منتقل کیا جا سکتا ہے۔ مشین پر حاضر رہنے والوں کا کام یا تو بہت سادہ ہوتا ہے یا اس کو زیادہ سے زیادہ حد تک مشین کر لیتی ہے۔ پھر بھی شروع شروع میں، مینوفیکچر کی تقسیم محنت بطور روایت برقرار رہتی ہے اور یہ سرمائے کے ہاتھوں استحصال کا بذات خود ایک زیادہ بڑا حربہ بن جاتی ہے۔ مزدور زندگی بھر کے لیے ایک جزئی مشین کا حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔ (صفحہ 413)

ساری سرمایہ دارانہ پیداوار میں، جہاں تک کہ وہ نہ صرف ایک عملِ محن ہے بلکہ سرمائے کی قدر کی توسیع کا ایک عمل بھی، ایک یہ چیز مشترک ہوتی ہے کہ آلات محنت کو کام میں لینے والا مزدور نہیں ہوتا بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے، آلاتِ محن مزدور سے کام لیتے ہیں؛ لیکن صرف مشین کے ذریعے ہی پیداوار کے تحت یہ بگڑا ہوا تعلق ٹیکنیکل صریحی حقیقت کی شکل اختیاری کرتا ہے۔ آلۂ محنت ایک خود کار آلے میں تبدیل ہو کر، عملِ محن کے دوران خود ہی سرمائے کی حیثیت سے مزدور سے دوچار ہوتا ہے، یعنی ایسی مردہ محنت کی طرح جو زندہ قوتِ محن پر غالب رہتی اور اس کو آخری قطرے تک چوس لیتی ہے۔ یہی کیفیت پیداواری عمل کی دانشورانہ قوتوں کی محنت پر سرمائے کے اقتدار کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ فرد کا، مشین چلانے والے نچوڑے ہوئے فرد کا جزوی ہنر، سائنس، زبردست قدرتی قوتوں اور سماجی عام محنت کی موجودگی میں جن کی مشینی نظام میں تجسیم

ہوچکی ہوتی ہے، کسی ننھی سی ثانوی چیز کی طرح غائب ہوجاتا ہے۔(صفحات 415-414)
فیکٹری میں فوجی بیرکوں کی طرح نظم وضبط، فیکٹریوں کے قاعدے۔(صفحہ 416)
فیکٹری کے مادی حالات۔(صفحہ 418-417)

iv۔فیکٹری کے نظام اور مشین کے خلاف مزدوروں کی جدوجہد

یہ جدوجہد، جو کہ سرمایہ دارانہ تعلقات کے آغاز ہی سے موجود تھی، یہاں سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی مادی بنیاد کی حیثیت سے مشین کے خلاف بغاوت کی شکل میں پہلے رونما ہوتی ہے۔ فیتوں کے کرگھے(صفحہ 419) لوڈائیٹ (2) (صفحہ 420)۔ بعد میں جا کر ہی کہیں مزدور پیداوار کے مادی ذرائع اور ان کے استعمال کی سماجی شکل کے درمیان تمیز کرنے لگ جاتے ہیں۔
مینوفیکچر میں محنت کی اصلاح شدہ تقسیم واقعی محنت کشوں کی جگہ لے لینے ہی کا ذریعہ تھی (صفحہ 421) (زراعت کی جانب گریز، منتقلی، صفحہ 422)۔لیکن مشین کے معاملے میں مزدور حقیقتاً منتقل کر دیا جاتا ہے؛ مشین اس سے براہ راست مقابلہ بازی کرتی ہے۔ ہاتھ کھڈی پر کام کرنے والے جولاہے(صفحہ 423)۔اسی طرح سے ہندوستان(صفحہ 424)۔ یہ عمل متواتر ہوتا ہے، کیونکہ پیداوار کے نئے نئے میدانوں پر مشین متواتر قابض ہوتی جاتی ہے۔ بمقابلہ محنت کش کے آلہ محنت کو سرمایہ دارانہ پیداوار جو خود انحصاری اور علیحدگی کی شکل دیتی ہے، اس کو مشین ایک مکمل مخاصمانہ شکل دے دیتی ہے، چنانچہ محنت کش کی بغاوت پہلے اب آلات محنت کے خلاف ہوتی ہے۔(صفحہ 424)

مشینوں کے ذریعے مزدوروں کی بے دخلی کی تفصیلات(صفحات 426-425)۔ مشین مزدوروں کو بیدخل کر کے سرمائے کے خلاف ان کی مزاحمت کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ (صفحات 428-427)

اعتدال پسند معاشیات کا اصرار ہے کہ مشین مزدوروں کو بے دخل کرنے کے ساتھ ساتھ ہی سرمائے کو بھی آزاد کر دیتی ہے کہ یہ ان مزدوروں کو کام پر لگا سکتا ہے۔ مگر اس کے برعکس جب مشین رائج ہوتی ہے تو سرمایہ بندھ کر رہ جاتا ہے، اس کا تغیر پذیر حصہ گھٹ جاتا ہے اور اس کے بقا پذیر حصے میں اضافہ ہو جاتا ہے؛ چنانچہ اس سے کام پر لگانے کی سرمائے کی صلاحیت محض محدود ہی ہو

سکتی ہے۔ درحقیقت، اور یہی ان عذر خواہوں کی مراد بھی ہے، اس طریقے سے سرمایہ آزاد سرمایہ نہیں ہوتا بلکہ بے دخل ہونے والے مزدوروں کی معاش کے ذرائع خالی ہو جاتے ہیں؛ ذرائع معاش سے مزدور بے تعلق کر دیئے جاتے ہیں، جس کا اظہار عذر خواہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ مشین مزدوروں کے لیے معاش کے ذرائع آزاد کر دیتی ہے۔ (صفحات 430-429)

اس کی مزید تفصیلات ''فورٹنائٹلی ریویو'' کے لیے بہت اچھی ہونگی (صفحات 432-431): سرمایہ داری کے عذر خواہ کے لیے مشینوں کے سرمایہ دارانہ استعمال سے غیر منفک (Inseparable) نزاعات کا وجود ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ بطور خود مشینوں سے نہیں بلکہ ان کے سرمایہ دارانہ استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ (صفحہ 432)

براہ راست اور بالواسطہ مشینوں کے ذریعے پیداوار کی توسیع، اور اس طرح اب تک جتنے مزدور کام پر لگائے جاتے تھے ان کی تعداد میں اضافے کا امکان: کان کن، کپاس والی ریاستوں میں غلام، وغیرہ۔ دوسری طرف، اسکاچوں اور آئرستانیوں کو نکال کر ان کی جگہ اونی کپڑے کی فیکٹریوں کی ضرورتوں کی مناسبت سے بھیڑوں کو دینا۔ (صفحہ 434-433)

محنت کی سماجی تقسیم کو مشینی پیداوار اس سے کہیں زیادہ آگے لے جاتی ہے جہاں تک مینوفیکچر لے گئی تھی۔ (صفحہ 435)

v۔ مشین اور قدر زائد

مشینری کا پہلا نتیجہ: ڈھیروں مصنوعات کے ساتھ ساتھ قدر زائد کا بڑھنا جن میں اس کی تجسیم ہو چکی ہوتی ہے اور جس پر سرمایہ دار طبقے اور اس کے حاشیہ نشینوں کی گزر اوقات ہوتی ہے۔ اس طرح سے سرمایہ داروں کی تعداد میں اضافہ؛ عیش و عشرت کی نئی ضرورتیں اور ان کے ساتھ ان کی تسکین کے ذرائع۔ سامانِ عشرت کی پیداوار بڑھتی ہے۔ اسی طرح ذرائع رسل و رسائل (جو مگر زیادہ ترقی یافتہ ملکوں میں بہت تھوڑی قوت محنت ہی جذب کرتے ہیں، شہادت صفحہ 436)۔ آخر میں یہ کہ خدمت گار طبقہ بڑھتا ہے، جدید خانگی غلام، جن کا مواد (مزدوروں کے) چھٹنے سے فراہم ہوتا ہے۔ (صفحہ 437) اعداد و شمار۔

معاشی تضادات (صفحہ 437)

مشینوں کے باعث کاروبار کی ایک شاخ میں محنت میں اضافہ مطلق کا امکان، اور اس عمل کے مختلف طریقے (صفحات 440-439)

زبردست لچک، نشوونما کے اعلیٰ درجے تک بڑے پیمانے کی صنعت کی اچانک توسیع کی صلاحیت۔ (صفحہ 441) کچا مال پیدا کرنے والے ملکوں پر ردعمل۔ مزدوروں کے چھٹنے کے باعث ترک وطن۔ صنعتی اور زراعتی ملکوں کی بین الاقوامی تقسیم محنت۔ بحرانوں اور خوشحالی کے دور آنے کا عمل (صفحہ 442)۔ توسیع کے اس عمل میں مزدوروں کا مارے مارے پھرنا (صفحہ 444) اس پر تاریخی اعداد وشمار۔ (صفحات 449-445)۔

اشتراکِ عمل اور مینوفیکچر کو ہٹا کر اس کی جگہ مشین کا آ جانا (اور درمیانی مرحلے صفحات 451-450)۔ فیکٹری کی طرز پر نہ چلنے والی شاخوں میں تبدیلیوں کے بارے میں بھی جو بڑے پیمانے کی صنعت کے انداز میں چلتی ہیں، گھریلو صنعت، فیکٹری کا ایک بیرونی شعبہ (صفحہ 452) گھریلو صنعت میں اور جدید مینوفیکچر میں استحصال خود فیکٹری کی بہ نسبت زیادہ بے حیائی کے ساتھ (صفحہ 453)۔ مثالیں: لندن کے چھاپہ خانے (صفحہ 453)، جلد سازی، ردی کی چھنٹائی (صفحہ 454)، اینٹیں بنانے کا کام (صفحہ 455)۔ عام طور پر جدید کارخانہ داری (صفحہ 456)۔ گھریلو دھندے: بیلیں، فیتہ بافی (صفحات 459-457)، گھاس بٹنے کا کام (صفحہ 460)۔ فیکٹری کی پیداوار میں تبدیلی کرنا اس غرض سے کہ زیادہ سے زیادہ حد تک استحصال کیا جا سکے: سلائی کی مشین سے لباس کی تیاری (صفحہ 466-462) اس تبدیلی کی رفتار لازمی فیکٹری قوانین کے ذریعے تیز کرنا، جو اس پرانے ڈھرے کو ختم کر دیتے ہیں جو غیر محدود استحصال پر مبنی ہے (صفحہ 466 4)۔ مثالیں: ظروف سازی (صفحہ 467 4)، ماچس (صفحہ 468)۔ علاوہ ازیں، مزدوروں کی بے قاعدگی کی عادتوں کے و نیز سیزن اور فیشنوں کے باعث بھی، مزدوروں کے بے قاعدہ کام پر فیکٹری قوانین کا اثر (صفحہ 470)۔ گھریلو صنعت اور مینوفیکچر میں سیزن کے باعث بیکاری کے ساتھ ساتھ کثرتِ کار۔ (صفحہ 471)

صحت و صفائی سے متعلق فیکٹری قوانین کی دفعات (صفحہ 473)۔ تعلیمی دفعات، (صفحہ 475)

محض عمر کی بنا پر مزدوروں کا اس وقت برخواست ہونا جبکہ وہ بڑے ہو گئے ہوں اور کام کے

لیے موزوں نہ رہ گئے ہوں اور بچے سے مساوی اجرت پر ان کا گزارہ نہ ہوسکتا ہو، جبکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے کسی نئے پیشے کا کام نہیں سیکھا ہو۔ (صفحہ 477)

اسراروں اور رازوں کا اور مینوفیکچر اور دستکاری کے انجماد کا جدید صنعت کے ذریعے خاتمہ، جو پیداواری عمل کو قدرتی قوتوں کے شعوری اطلاق میں تبدیل کر دیتی ہے۔ چنانچہ پہلے کی تمام بُنتروں کے مقابلے میں صرف یہی انقلابی ہے (صفحہ 479)۔ لیکن سرمایہ دارانہ بُنتر کی حیثیت سے وہ مزدور کے لیے منجمد تقسیمِ محن کو قائم رہنے دیتی ہے اور چونکہ وہ اول الذکر کی بنیاد میں انقلابی تبدیلی پیدا کرتی ہے اس لیے وہ مزدور کو برباد کر ڈالتی ہے۔ دوسری طرف، عین اسی چیز میں، ایک ہی مزدور کی سرگرمیوں میں اس لازمی تبدیلی میں جس قدر ممکن ہو سکے اسی قدر ہمہ گیر ہونے کی ضرورت اور سماجی انقلاب کے امکانات مضمر ہوتے ہیں۔ (صفحات 481-480)

فیکٹری کے قانون کی ان تمام شاخوں تک توسیع کی ضرورت جو فیکٹری کی طرز پر نہیں چلائی جاتیں (صفحہ 482)۔ 1867ء کا قانون (صفحہ 485)۔ کانیں، حاشیہ (صفحہ 486)۔

فیکٹری قوانین کے زیر اثر ارتکاز کا عمل؛ فیکٹری کی پیداوار کی اور اس طرح سرمایہ دارانہ پیداوار کی کلاسیکی شکل کی تعمیم؛ اس کے جبلی تضادات میں شدت کا پیدا ہونا، پرانے سماج کا تختہ پلٹنے کے عناصر کا اور نئے سماج کی تشکیل کے عناصر کا پختہ ہونا۔ (صفحات 493-488)

زراعت۔ یہاں مشینوں کے باعث مزدوروں کے چھٹنے کا عمل اور بھی زیادہ شدت سے رونما ہوتا ہے۔ کسانوں کی جگہ اجرتی مزدوروں کا آجانا۔ دیہی گھریلو مینوفیکچر کی تباہی۔ شہر اور گاؤں کے درمیان تضادات میں شدت کا پیدا ہونا دیہی مزدوروں کا منتشر اور کمزور ہو جانا جبکہ شہری مزدور کی تخفیف ہو جاتی ہے، چنانچہ زرعی مزدوروں کی اجرتیں کم از کم حد تک گھٹا دی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ زمین کی لوٹ، سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کے عروج کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ ساری دولت کے سوتوں کی بنیادیں اڑا دی جائیں: مٹی اور مزدور۔ (صفحہ 96-493)

نوٹس:

(1) صفحہ نمبر 34 پر ذیلی حاشیہ (2) ملاحظہ فرمائیے۔ ایڈیٹر

(2) پیداوار میں مشینوں کے استعمال کے خلاف بغاوت کرنے والے لوگ، جن کا لیڈر لوڈٹ تھا۔ ایڈیٹر

پانچواں باب

قدرِ زائد کی پیداوار کے متعلق مزید تحقیقات [1]

نوٹس:

(1) مسودے کا سلسلہ یہاں آ کر ٹوٹ جاتا ہے۔ ایڈیٹر

3۔ضمیمہ برائے ''سرمایہ''

جلد سوئم

عام نقد ونظر کا موضوع بنتے ہی ''سرمایہ'' کی تیسری جلد کو بہت سارے اور مختلف معنے پہنائے جارہے ہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور چیز متوقع بھی نہیں تھی۔اس کو شائع کرتے وقت مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ متن زیادہ سے زیادہ مستند ہو، مارکس نے جو نتائج اخذ کئے تھے انہیں امکانی حد تک خود مارکس ہی کے الفاظ میں ظاہر کرنے، اپنی طرف سے دخل اندازی صرف قطعی ناگزیر حالت میں کرنے کی اور پھر بھی قاری کے دل میں اس بات کا شبہ نہ رہنے دینے کی تھی کہ اس سے کون مخاطب ہے۔اس کو ناپسند کیا گیا ہے۔کہا گیا ہے کہ جو مواد فراہم تھا اس کو مجھے باقاعدہ ضبط تحریر میں لائی ہوئی کتاب کی شکل میں تبدیل کر دینا چاہیے تھا بقول فرانسیسوں کے en faire un livre بہ الفاظ دگر قاری کی سہولت کی خاطر متن کے استناد کو قربان کر دیا جائے۔ لیکن میرے ذہن میں اپنے فرض کا یہ تصور نہیں تھا۔اس قسم کی نظر ثانی کرنے کا کوئی جواز میرے پاس نہیں تھا۔ مارکس جیسا شخص اس بات کا مستحق ہے کہ خود اس کی بات سنی جائے، اس کی علمی دریافتیں خود اس کے انداز بیان کی مکمل اصلیت کے ساتھ آنے والی نسلوں کے سپرد کر دی جائیں۔اس کے علاوہ میری کوئی خواہش نہیں تھی کہ اس طرح اس جیسی ممتاز شخصیت کے ورثے پر، جیسا کہ مجھے یقیناً محسوس ہونا چاہیے، خلاف قانون حق جمالوں؛ مجھے تو ایسا لگتا کہ جیسے امانت میں خیانت کی ہو۔اور تیسرے، یہ قطعی لاحاصل ہوتا۔ان لوگوں کے لیے جو پڑھ نہیں سکتے یا پڑھنا نہیں چاہتے، جنہوں نے، پہلی جلد کو بھی، صحیح طریقے سے سمجھنے کی بہ نسبت غلط طریقے سے سمجھنے کی زیادہ کوشش کی، ایسے لوگوں کے لیے اپنے آپ کو کسی طریقے سے بھی پیش کرنا قطعی بے کار ہے۔لیکن ان لوگوں کے لیے جنہیں حقیقتاً سمجھنے بوجھنے سے دلچسپی ہے، خود اصل عبارت ہی سب سے اہم چیز تھی۔ان کے لیے میرے اس کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی زیادہ سے زیادہ وقعت ایک تبصرے

کی ہوتی، اور پھر تبصرہ بھی ایک ایسی چیز پر جو غیر مطبوعہ ہو، دسترس میں نہ ہو۔ پہلے ہی اختلاف رائے پر اصل متن کا حوالہ ضروری ہو جاتا اور دوسرے اور تیسرے پر پورے طور پر اس کی اشاعت ناگزیر ہو جاتی۔

اس قسم کے اختلافات رائے ایک ایسی تصنیف کے بارے میں حسب معمول چیز ہوتی ہے جس میں اتنا بہت کچھ نیا ہو اور جو ابتدائی مسودے کے عجلت میں لکھے ہوئے خاکے کی شکل میں ہو اور اس پر طرہ یہ کہ جزوی طور پر نامکمل بھی۔ اور یہاں میری مداخلت کارآمد ہو سکتی ہے: سمجھنے میں مشکلوں کو دور کرنا، ان اہم پہلوؤں کو زیادہ سامنے لانا جن کی اہمیت متن میں کافی نمایاں نہ ہو اور 1865ء میں لکھی ہوئی عبارت میں بعض اہم اضافے کرنا تاکہ وہ 1895ء کی صورت حال میں موزوں ہو جائے، درحقیقت، دو نکتے ایسے ہو گئے ہیں جو مجھے لگتا ہے کہ ایک مختصر بحث چاہتے ہیں۔

1۔ قدر کا قانون اور منافع کی شرح
(Law of Value and Rate of Profit)

اس بات کی توقع کی جاتی تھی کہ ان دونوں اجزاء کے درمیان واضح تضاد کو حل کرنے سے مارکس کے متن کے شائع ہونے کے بعد بھی ویسی ہی بحثیں اٹھ کھڑی ہوں گی جیسی کہ اس سے پہلے اٹھتیں۔ بعض تو پورا ایک معجزہ دیکھنے کے لیے تیار بیٹھے تھے اور جس شعبدے بازی کی انہیں توقع تھی اس کے بجائے اس تضاد کا ایک سادہ، معقول، غیر شاعرانہ طور پر سنجیدہ حل دیکھ کر اپنے آپ کو مایوس پاتے ہیں۔ انتہائی مسرت انگیز طریقے پر مایوس بلاشبہ مشہور و ممتاز لوریا ہیں۔ آخر کار ان کو وہ ارشمیدسی ٹیک (Archemedian Fulcrum) مل گئی جس کے زور سے ان کے جیسا بالشتیہ ٹھوس ساخت کی دیو پیکر مارکسی تصنیف کو بھی ہوا میں اچھال کر پاش پاش کر سکتا ہے۔ کیا! وہ غضبناک ہو کر چیختے ہیں۔ گویا کہ یہی حل ہے؟ یہ تو خالص دھوکے بازی ہے! معاشیات دان جب قدر کی بات کرتے ہیں تو ان کی مراد اس قدر سے ہوتی ہے جو تبادلے میں واقعی قائم ہوئی ہو۔

''کسی بھی معاشیات دان نے جو ذرا بھی ہوش مند ہو اس قدر سے کوئی سروکار نہیں رکھتا یا کبھی سروکار نہ رکھنا چاہے گا جس پر اشیاء فروخت نہیں ہوتیں اور کبھی بھی فروخت نہیں ہو سکتیں۔ یہ دعویٰ

کر کے کہ وہ قدر جس پر اشیاء فروخت کبھی نہیں ہوتیں اس محنت کے تناسب میں ہوتی ہے جو ان میں شامل ہو، مارکس کٹر معاشیات دانوں کے اس دعوے کو الٹا کر کے دُہرانے کے علاوہ اور کیا کرتے ہیں کہ اشیاء جس قدر پر فروخت ہوتی ہیں وہ اس محنت کے تناسب میں نہیں ہوتی جو ان پر صرف کی گئی ہوتی ہے؟۔۔۔مارکس کے یہ کہہ دینے سے کوئی مدد نہیں ملتی کہ انفرادی قدروں سے انفرادی قیمتوں کے مختلف ہونے کے باوجود تمام اشیاء کی مجموعی قیمت ان کی مجموعی قدر کے یا کل اشیاء میں جو محنت شامل ہوتی ہے اس کی مقدار کے ہمیشہ پوری طرح برابر ہوتی ہے۔ چونکہ قدر ایک شے اور دوسری کے درمیان تبادلے کے تناسب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی، اس لیے مجموعی قدر کا تصور ہی مہمل، بے معنی ہے۔۔تضاد صفت ہے۔۔۔(a contradictio in adjecto)''

کتاب کے بالکل شروع ہی میں انہوں نے حجت کی ہے کہ مارکس کا کہنا یہ ہے کہ دو اشیاء کا تبادلہ ان میں مشمول یکساں اور برابر کے بڑے عنصر کے سبب سے ہی کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے محنت کی برابر مقدار۔ اور اب یہ دعویٰ کر کے نہایت سنجیدگی سے اپنی تردید کر دیتے ہیں کہ اشیاء کا باہم تبادلہ ان میں مشمولہ محنت کی مقدار کے تناسب سے نہیں بلکہ بالکل ہی مختلف تناسب سے ہوتا ہے۔

''کیا کوئی ایسے قطعی مہمل پن کا مظاہرہ کر سکتا ہے، ایسے قطعی نظریاتی دیوالیہ پن پر؟ کیا اس سے زیادہ دھوم دھڑ کے اور زیادہ سنجیدگی کے ساتھ کبھی علمی خودکشی کی گئی تھی!'' (''نواوو اا اینٹولوگیا'' یکم فروری 1895ء، صفحات 479-478)

ہم دیکھتے ہیں: ہمارے لوریا خوشی سے پھولے نہیں سما رہے۔ کیا وہ مارکس کو اپنوں ہی میں سے ایک، معمولی سا نیم حکیم سمجھ کر برتاؤ کرنے میں درست نہیں تھا؟ لیجئے دیکھئے مارکس اپنے مخاطبوں پر ٹھیک لوریا ہی کی طرح، کھڑے طنزیہ مسکرا رہے ہیں؛ وہ معاشیات کے ایک انتہائی حقیر اطالوی پروفیسر ہی کی طرح پراسرار باتوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ لیکن اپنے پیشے سے واقفیت کی بنا پر یہ دلکامرا(1) تو ایسا کرنے کی جرات کر سکتا ہے مگر بھونڈا شمالی مارکس ناروا باتوں کے علاوہ کچھ کرتا ہی نہیں، ایسی مہمل بے معنی چیزیں لکھا کرتا ہے کہ آخر میں اس کے پاس سنجیدگی کے ساتھ خودکشی کر لینے کے علاوہ کچھ باقی ہی نہیں رہ جاتا۔

اس بیان کو ہمیں کبھی بعد کے لیے اٹھا رکھنا چاہیے کہ اشیاء، محنت کی متعین کی ہوئی قدروں پر کبھی بھی فروخت نہیں ہوئیں، نہ کبھی فروخت ہو سکتی ہیں۔ ہمیں تو یہاں جناب لوریا کی محض اس

یقین دہانی پر بحث کرنی چاہیے کہ ''قدر ایک شے اور دوسری کے درمیان تبادلے کے تناسب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی'' اور یہ کہ ''مجموعی قدر کا تصور ہی مہمل بے معنی ہے، وغیرہ۔۔۔''

اس لیے دو اشیاء کا ایک دوسرے سے تبادلہ جس تناسب میں ہوتا ہے یعنی ان کی قدر ایسی کوئی خالص اتفاقی چیز ہوتی ہے، جو اشیاء پر باہر سے چسپاں کر دی جاتی ہے جو آج کچھ ہو سکتی ہے اور کل کچھ مختلف۔ آیا گندم کے ایک میٹری ہنڈرڈ ویٹ کا تبادلہ ایک گرام سونے سے ہوتا ہے یا ایک کلوگرام سے، اس کا ذرا بھی انحصار ان حالات پر نہیں ہوتا جو گندم یا سونے میں جبلی نوعیت کے ہوتے ہیں، بلکہ ان حالات پر ہوتا ہے جو دونوں سے قطعی بیگانے ہیں۔ ورنہ تو ان حالات کو تبادلے پر بھی اپنے آپ کو مسلط کرنا ہوتا، بحیثیت مجموعی موخرالذکر پر حاوی ہونا پڑتا اور تبادلے سے علیحدہ بھی ان کا اپنا وجود ہوتا، تاکہ اشیائے تجارت کی مجموعی قدر کی بات کی جا سکتی۔ مشہور و ممتاز لوریا کہتے ہیں کہ یہ بات بے معنی ہے۔ دو اشیاء خواہ کسی تناسب سے ہی کیوں نہ ایک دوسری سے بدلی جاتی ہوں، ان کی قدر وہی ہوتی ہے، اور بس معاملہ ختم۔ چنانچہ قدر قیمت سے ہم آہنگ ہوئی اور ہر شے کی اتنی ہی قدریں ہوتی ہیں جتنی کہ اس کی قیمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اور قیمت کا تعین رسد اور طلب سے ہوتا ہے۔ اور جو کوئی بھی اس سے زیادہ سوالات کرے اور جواب کی توقع رکھے وہ بے وقوف۔

لیکن اس معاملے میں ایک رکاوٹ پڑتی ہے۔ حالت معمول کے مطابق ہو تو رسد و طلب کا توازن قائم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ دنیا کی تمام اشیاء کو دو نصفوں میں تقسیم کر دیں، ایک رسد کا اور دوسرا اتنا ہی بڑا طلب کا۔ فرض کیجیے کہ دونوں میں ہر ایک کسی قیمت کا اظہار کرتا ہے 100 کھرب مارک، فرانک، پاؤنڈ اسٹرلنگ یا جو کچھ آپ چاہیں۔ ابتدائی حساب کے مطابق اس طرح قیمت یا قدر 200 کھرب ہو جاتی ہے۔ جناب لوریا فرماتے ہیں: مہمل، بے معنی۔ دونوں حصوں کو آپس میں ملا دیا جائے تب تو وہ 200 کھرب کا اظہار کر سکتے ہیں۔ لیکن قدر کی بات اس کے برعکس ہے۔ اگر ہم کہیں قیمت تو 100+100=200 ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں قدر 100+100= صفر۔ کم از کم اس صورت میں جبکہ معاملہ مجموعی طور پر اشیاء کی کلیت کا ہو۔ کیونکہ یہاں دونوں حصوں میں سے ہر ایک کی اشیاء 100 کھرب کی محض اس وجہ سے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی اشیاء کے لیے یہ رقم دے سکتا ہے اور دے دے گا۔ لیکن

اگر ہم دونوں حصوں کو آپس میں مکمل طور پر ملا کر کسی تیسرے فرد کے سپرد کر دیں تو اس کے ہاتھ میں پہلے کی کوئی قدر نہیں رہ جاتی، نہ دوسرے کی اور تیسرے کی تو قطعاً نہیں، آخر میں کسی کے پاس کچھ نہیں رہ جاتا۔ اور ایک بار پھر ہم اس برتری پر محو حیرت رہ جاتے ہیں کہ جس سے ہمارے جنوبی کیگلی آسترو نے قدر کے تصور کی اس انداز میں مٹی پلید کی ہے کہ اس کا کہیں شائبہ تک باقی نہیں رہا۔ عامیانہ معاشیات کی یہ انتہا ہے!(2)

براؤن کے جریدے ''آرخیف فور سوزئیل گیسیتز گیبنگ'' جلد 7 شمارہ 4 میں ورنر سومبرت نے مارکسی نظام کا ایک خاکہ پیش کیا ہے جو، بحیثیت مجموعی، بہترین ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب جرمن یونی ورسٹی کا پروفیسر مارکس کی تحریروں کو اسی طرح سمجھنے میں کامیاب رہا، جس طرح کہ مارکس نے واقعی کہا ہے، اور جس نے بیان کیا ہے کہ مارکسی نظام کی تنقید تردید پر منتج نہیں ہوسکتی، ''سیاسی جاہ پرست چاہیں تو ایسا کر لیں''، بلکہ اس کے مزید ارتقاء پر ہی مشتمل ہوسکتی ہے۔ سومبرت نے بھی ہمارے موضوع پر، جیسی کہ توقع تھی، بحث کی ہے۔ مارکسی نظام میں قدر کی اہمیت کی انہوں نے تحقیق کی اور مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں: سرمایہ دارانہ انداز میں پیدا کی ہوئی اشیاء کے تعلق تبادلہ میں قدر ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کا سرمایہ دارانہ پیداوار کے وسائل کے شعور میں ظہور نہیں ہوتا؛ یہ ایک تجربی نہیں بلکہ ذہنی، منطقی حقیقت ہوتی ہے؛ مارکس کے ہاں قدر کا تصور اپنی مادی قطعیت میں، معاشی وجود کی بنیادی حیثیت سے محنت کی سماجی پیداوری طاقت کی حقیقت کے معاشی اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؛ حتمی تجزیے میں، سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں قدر کا قانون معاشی عوامل پر حاوی ہوتا ہے اور بالکل عام طور پر اس معاشی نظام کے لیے اس کا مافیہا مندرجہ ذیل ہوتا ہے: اشیاء کی قدر وہ مخصوص اور تاریخی بُنتر ہوتی ہے جس میں محنت کی پیداواری قوت، جو حتمی تجزیے میں تمام معاشی عوامل پر حاوی ہوتی ہے، اپنے آپ کو فیصلہ کن عنصر کی حیثیت سے مسلط کر لیتی ہے۔ سومبرت کہتا ہے کہ اس طرح سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کے لیے قانون قدر کی اہمیت کے اس تصور کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ میرے نزدیک یہ وسیع تر ہے اور نسبتاً تنگ حدود میں، صاف و صحیح الفاظ میں مرقوم ہوسکتا ہے؛ میری رائے میں اس قانون کے زیر اقتدار سماج کے ارتقاء کے معاشی مرحلوں کے لیے قانون قدر کی پوری اہمیت کسی طرح بھی ختم نہیں ہو جاتی۔

براؤن کے ''سوزیئیل پالیٹیشنر زینٹرل بلاٹ'' مورخہ 25 فروری 1895ء، شمارہ 22

میں ''سرمایہ'' کی تیسری جلد پر کونارڈ شمت کا بھی ایک نہایت عمدہ مضمون ہے۔ یہاں خاص طور سے اس بات کے ثبوت پر زور دینا چاہیے کہ قدر زائد سے اوسط شرح منافع کو مارکسی انداز میں اخذ کر لینے سے کس طرح اس سوال کا جواب مل جاتا ہے جو معاشیات دانوں نے اب تک مرتب کر کے پیش تک نہیں کیا تھا: اس اوسط شرح منافع کی مقدار کیسے متعین کی جاتی ہے اور یہ کیسے ہو جاتا ہے کہ یہ 10 یا 15 فیصدی نہیں بلکہ 50 یا 100 فیصدی ہوتی ہے۔ چونکہ ہم جانتے ہیں کہ سب سے پہلے صنعتی سرمایہ دار کی ہتھیائی ہوئی قدر زائد وہ واحد اور خصوصی سرچشمہ ہوتا ہے جہاں سے منافع اور زمین کا لگان جاری ہوتا ہے، اس لیے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ شمت کے مضمون کا یہ حصہ لوریا کے قبیل کے معاشیات کے لیے براہ راست لکھا جا سکتا تھا بشرطیکہ یہ ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کی کوشش رائیگاں نہ ہوتی جو دیکھنا ہی نہیں چاہیے۔

قانونِ قدر کے متعلق شمت کے بھی رسمی شکوک وشبہات ہیں۔ وہ اس کو ایک علمی مفروضہ کہتے ہیں جو تبادلے کے اصلی عمل کی وضاحت کے لیے قائم کیا گیا ہے، جو ضروری نظریاتی نقطہ آغاز ثابت ہوتا ہے، مقابلے بازی کی قیمتوں کے مظہر کے اعتبار سے بھی، راہیں روشن کرنے والا اور ناگزیر، حالانکہ اس کے عین متضاد معلوم ہوتا ہے۔ ان کے مطابق، قانون قدر کے بغیر سرمایہ دارانہ حقیقت کے معاشی نظام عمل کی ساری نظریاتی بصیرت معدوم ہو جاتی ہے۔ اور ایک ذاتی خط میں، جس کا حوالہ دینے کی انہوں نے مجھے اجازت دے دی ہے، شمت کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کے اندر قانون قدر خالص، اگرچہ نظریاتی اعتبار سے ضروری، افسانہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ نقطہ نظر میری رائے میں قطعی غلط ہے۔ سرمایہ دارانہ پیداوار کے لیے قانون قدر، افسانے کا تو ذکر ہی کیا، حالانکہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، محض ایک مفروضے کی بہ نسبت کہیں بڑی اور قطعی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

سومبرت اور شمت بھی، مشہور وممتاز لوریا کا ذکر میں نے محض دلچسپی پیدا کرنے کے لیے عامیانہ معاشیاتی گرد پوش کی طرح کیا ہے، اس حقیقت کی کافی رعایت نہیں رکھتے کہ یہاں ہم خالص منطقی عمل سے بحث نہیں بلکہ ایک تاریخی عمل اور فکر میں اس کے وضاحتی عکس سے بات کر رہے ہیں، اس کے اندرونی رشتوں کی منطقی تلاش سے کر رہے ہیں۔

فیصلہ کن جزو عبارت مارکس کی جلد سوئم صفحہ 154 پر ملے گا جو یہ ہے:

''ساری مشکل اس حقیقت سے پیدا ہوتی ہے کہ اشیاء کا تبادلہ محض اشیاء کی حیثیت سے نہیں بلکہ سرمایوں کی مصنوعات کی حیثیت سے ہوتا ہے، جو قدر زائد کی مجموعی مقدار میں، اپنی مقدار کے تناسب سے یا اگر مقدار میں برابر ہوں تو برابر کی شرکت کی دعویدار ہوتی ہیں۔''

اس فرق کی وضاحت کے لیے فرض کر لیا جاتا ہے کہ مزدور اپنے ذرائع پیداوار پر قابض ہیں، یہ کہ وہ اوسطاً ایک ہی جیسی طویل مدت تک اور ایک ہی جیسی شدت کے ساتھ کام کرتے ہیں اور اپنی اشیاء کا تبادلہ ایک دوسرے سے براہ راست کرتے ہیں۔ تب ایک دن میں دو مزدوروں نے اپنی محنت سے اپنی اپنی اشیاء میں برابر کی نئی قدر کا اضافہ کیا ہوگا لیکن ہر ایک کی مصنوعات کی قدر مختلف ہوگی، جس کا انحصار اس محنت پر ہوگا جو ذرائع پیداوار میں پہلے ہی سے تجسیم ہو چکی ہے۔

قدر کا یہ آخر الذکر حصہ سرمایہ دارانہ معیشت کے بقا پذیر سرمائے کی نمائندگی کرے گا جبکہ نئی اضافہ کی ہوئی قدر کا وہ حصہ جو مزدوروں کی معاش کے ذرائع کے لیے کام میں لایا جائے گا، تغیر پذیر سرمائے کی نمائندگی کرے گا اور نئی قدر کا وہ حصہ جو اب بھی باقی رہ جائے گا وہ قدر زائد کو ظاہر کرے گا، جو اس صورت میں مزدور کی ملکیت ہوگی۔ اس طرح سے قدر کے ''بقا پذیر'' حصے کو بدلنے کی رقم گھٹانے کے بعد جو انہوں نے صرف پیشگی دی تھی، دونوں مزدوروں کو برابر قدریں حاصل ہو جائیں گی؛ لیکن قدر زائد کو ظاہر کرنے والے حصے کا ذرائع پیداوار کی قدر سے تناسب، جو سرمایہ دارانہ شرح منافع سے مطابقت رکھے گا، انفرادی طور پر ہر صورت میں مختلف ہوگا۔ لیکن چونکہ ہر ایک کو، تبادلے کے ذریعے ان ذرائع پیداوار کی قدر مل جاتی ہے جو بدلے گئے تھے، اس لیے اس صورت حال کی کوئی اہمیت نہیں رہ جائے گی۔

''اشیاء کے اپنی قدروں پر یا اس کے قریب قریب تبادلے کے لیے اس طرح اس سے کہیں زیادہ نچلا مرحلہ درکار ہوتا جتنا کہ اُن کی پیداواری قیمتوں پر تبادلے کے لیے چاہیے ہوتا ہے، جس کو سرمایہ دارانہ ارتقا کی ایک معین سطح درکار ہوتی ہے۔۔۔ قیمتوں اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر قانونِ قدر کے حاوی ہونے کے علاوہ اشیاء کی قدروں کو نہ صرف نظریاتی بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی، پیداوار کی قیمتوں کا پیش رو تصور کرنا قطعی مناسب ہے۔ یہ ان حالات پر صادق آتا ہے جن میں ذرائع پیداوار محنت کش کی ملکیت ہوتے ہیں اور یہی حالت زمین اپنی ملکیت میں رکھنے اور کام کرنے والے کاشتکار اور دستکار کی قدیم اور اس کے ساتھ ساتھ جدید دنیا میں بھی ہوتی

ہے۔ پہلے جس نقطہ نظر کا ہم نے اظہار کیا تھا کہ مصنوعات کا اشیاء میں ارتقاء مختلف برادریوں کے درمیان تبادلے سے ہوتا ہے، ایک ہی برادری کے ارکان کے درمیان تبادلے سے نہیں، یہ اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف اس قدیمی حالت پر بلکہ بعد کے حالات پر بھی جو غلامی کے، زرخرید کسان کے اور دستکاروں کی ہم پیشہ انجمنوں کے نظام پر مبنی تھے، صادق آتا ہے، اس وقت تک جب تک کہ پیداوار کی ہر شاخ سے متعلقہ ذرائع پیداوار ایک حلقے سے دوسرے حلقے میں بمشکل منتقل کیے جا سکتے ہوں اور اس لیے پیداوار کے مختلف حلقے ایک دوسرے کے ساتھ، بعض حدود کے اندر، غیر ممالک یا کمیونسٹ برادریوں کی حیثیت سے متعلق ہوں۔'' (مارکس، جلد سوئم، باب اوّل صفحات 156-155)

اگر مارکس کو تیسری جلد ایک بار اور دیکھ لینے کا موقع میسر آتا تو انہوں نے عبارت کے اس حصے کو بلاشبہ اور وسیع کر دیا ہوتا۔ اس وقت یہ جیسا ہے وہ اس چیز کا محض ایک خاکہ ہے جو زیر بحث موضوع پر کہنی چاہیے۔ اس لیے آیئے ہم اس پر ذرا زیادہ تفصیل سے غور کریں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سماج کی شروعات میں مصنوعات کو خود پیداوار کنندگان ہی استعمال کر لیتے ہیں۔ اور یہ کہ پیدا کرنے والے یہ لوگ کم و بیش کمیونسٹ برادریوں میں بلا ارادہ منظم ہو جاتے ہیں؛ یہ کہ ان مصنوعات میں جو فاضل بچ رہتا ہے اس کا اجنبیوں سے تبادلہ، جس سے مصنوعات کے اشیاء میں تبدیل ہونے کا آغاز ہو جاتا ہے، بعد کے زمانے کا ہے؛ یہ کہ پہلے پہل مختلف قبیلوں کی الگ الگ برادریوں کے درمیان ہی ہوتا ہے، لیکن بعد میں برادری کے اندر بھی عام ہو جاتا ہے اور موخر الذکر کے چھوٹے اور بڑے خاندانی گروہوں میں تحلیل ہو جانے میں خاصا بڑا حصہ ادا کرتا ہے۔ لیکن تحلیل ہونے کے بعد بھی تبادلہ کرنے والے خاندان کے کھیا کام کرنے والے کسان ہی رہتے ہیں، جو خود اپنی ہی کھیتی باڑی میں اپنے کنبوں کی مدد سے اپنی ضرورت کی قریب قریب ساری چیزیں پیدا کرتے ہیں اور خود اپنی زائد اشیائے پیداوار کے بدلے مطلوبہ ضروریات کا صرف ایک حصہ ہی باہر سے حاصل کرتے ہیں۔ پورا خاندان صرف زراعت اور مویشی پالنے کے کام میں ہی نہیں لگا رہتا؛ وہ اپنی مصنوعات کو تیار مال میں بدلنے کے لیے بھی کام کرتا ہے اور ہاتھ کی چکی سے اکثر و بیشتر خود اپنے لیے پسائی بھی کرتا ہے، وہ تندور میں روٹی پکاتا ہے، سوت کاتتا، رنگتا، فلیکس اور اُون بنتا، چمڑا رنگتا، چوبی مکان بناتا اور ان کی مرمت کرتا، اوزار

اور برتن بناتا اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بڑھئی اور لوہار کا کام بھی کر لیتا ہے؛ چنانچہ خاندان یا خاندانی جتھا بڑی حد تک خود کفیل ہوتا ہے۔

ایسے کنبے کو جو تھوڑا بہت باہر والوں سے تبادلہ کر کے یا خرید کر حاصل کرنا پڑتا تھا وہ جرمنی میں انیسویں صدی کے آغاز تک بھی خاص طور سے دستکاری کی مصنوعات پر مشتمل ہوتا تھا، یعنی ایسی چیزوں پر جنہیں تیار کرنے کی ترکیب سے کسان کسی طرح بھی لاعلم نہیں تھا اور جنہیں وہ خود اس لیے تیار نہیں کرتا تھا کہ اس کے پاس یا تو خام مال کی کمی ہوتی یا اس وجہ سے کہ خریدی ہوئی چیز زیادہ بڑھیا قسم کی ہوتی یا نسبتاً بہت ہی سستی ہوتی۔ چنانچہ قرونِ وسطیٰ کے کسان کو خاصا صحیح معلوم تھا کہ جو چیزیں وہ تبادلے میں لیا کرتا ہے انہیں تیار کرنے میں کتنا وقتِ محن درکار ہوتا ہے۔ گاؤں کا لوہار اور چھکڑا بنانے والا اس کی آنکھوں کے سامنے کام کرتے تھے، اسی طرح سے درزی اور جفت ساز، جو میری نوجوانی کے زمانے تک بھی ہمارے رہائن کے کسانوں کے ہاں یکے بعد دیگرے آیا کرتے تھے اور گھر کے تیار کئے ہوئے سامان سے جوتے اور کپڑے بنا جایا کرتے تھے۔ کسان اور وہ لوگ بھی جن سے وہ سامان خریدا کرتے تھے، خود کامگار ہوا کرتے تھے، تبادلے میں لی ہوئی چیزیں خود ان کی تیار کی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان مصنوعات کے تیار کرنے میں انہوں نے کیا صرف کیا تھا؟ محنت اور صرف محنت: اوزاروں کو بدلنے، کچا مال پیدا کرنے اور اس پر کام کرنے کے لیے وہ خود اپنی قوت محنت کے علاوہ کچھ اور صرف نہیں کرتے تھے؛ تو پھر وہ اپنی مصنوعات کو سامان تیار کرنے والے پیداوار کنندگان کی مصنوعات سے سوائے ان پر صرف کی ہوئی محنت کے تناسب کے حساب کے اور کیسے تبادلہ کریں؟

ان مصنوعات پر محض وقتِ محن ہی صرف نہیں ہوا تھا جو کہ تبادلہ کی جانے والی قدروں کے مقداری تعین کا واحد موزوں پیمانہ ہے، دوسرا کوئی طریقہ قطعی ممکن نہ تھا۔ یا خیال یہ ہے کہ کسان اور دستکار اتنے بیوقوف تھے کہ ایک شخص کی دس گھنٹے کی محنت کی مصنوعات کو دوسرے کی ایک ہی گھنٹے کی حاصل پیداوار کے بدلے دے دیتے؟ کسان کی خود کفیل معیشت کے پورے دور میں اس کے علاوہ کوئی اور تبادلہ ممکن نہیں ہے کہ جس میں اشیائے تجارت کی مقداروں کا تبادلہ ان میں مشمولہ محنت کی مقداروں کے مطابق زیادہ سے زیادہ حد تک کرنے کا رجحان ہوتا ہے۔

معیشت کی اس طبع میں جس لمحے سے روپیہ سرایت کرتا ہے، تب ہی سے ایک طرف تو

قانون قدر سے (یاد رہے مارکسی ترکیب میں!) مطابقت پیدا کرنے کی جانب رجحان زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے جبکہ دوسری طرف سود خود کے سرمائے کی مداخلت اور محصولوں کے ذریعے مونڈ لینے سے اس میں پہلے ہی خلل پڑ چکا ہوتا ہے۔ وہ مدتیں جن کے لیے قیمتیں، اوسطاً، قابل نظر انداز فرق سے قدروں کی جانب پہنچنے لگتی ہیں، زیادہ طویل ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

یہی بات کسان کی مصنوعات اور شہری دستکاروں کی بنائی ہوئی چیزوں کے درمیان تبادلے پر صادق آتی ہے۔ شروع شروع میں یہ تبادلہ براہ راست، سوداگر کے توسل کے بغیر، شہروں میں منڈی لگنے کے دن ہوا کرتا ہے جبکہ کسان اپنی چیزیں فروخت کرتا اور خریداریاں کیا کرتا ہے۔ یہاں بھی کسان کو دستکار کے نہ صرف کام کرنے کے حالات کا علم ہوتا ہے بلکہ موخرالذکر کو بھی کسان کے کام کرنے کے حالات کا پتہ ہوتا ہے۔ کیونکہ دستکار خود بھی کسی حد تک کسان ہوتا ہے؛ اس کے ہاں نہ صرف ترکاریوں اور پھلوں کے باغ ہوتے ہیں بلکہ اکثر اوقات چھوٹا سا قطعۂ اراضی، دو ایک گائیں، سور، مرغیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ قرون وسطیٰ کے لوگ اس طرح کچے مال، ضمنی چیزوں اور وقتِ محن کے لیے ایک دوسرے کے اخراجات پیداوار کی، کم از کم روزمرہ عام استعمال کی چیزوں کے سلسلے میں، قابل لحاظ صحیح صحیح حد تک جانچ پڑتال رکھ سکتے تھے۔

لیکن مبادلے کے اس عمل میں مقدارِ محن کی بنیاد پر، موخرالذکر کا حساب، ایسی مصنوعات کے لیے کیسے لگایا جائے، جن کے لیے زیادہ طویل محنت چاہیے ہوتی ہے اور باقاعدہ وقفوں کی صورت میں خلل پڑ جاتا ہے اور پیداوار غیر یقینی ہے، چاہے وہ بالواسطہ اور متعلقاتی ہی کیوں نہ ہو، مثلاً اناج، مویشی؟

اور اس پر طرہ یہ کہ ان لوگوں میں جنہیں حساب لگانا نہ آتا ہو؟ ظاہر ہے کہ صرف کم اور زیادہ کے تخمینے لگانے کے طویل عمل کے ذریعے، اکثر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار کر اور جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، صرف غلطیوں سے سیکھ کر۔ لیکن بحیثیت مجموعی اپنا خرچہ پورا کرنے کے لیے ہر ایک کی ضرورت نے ہمیشہ اس کو صحیح سمت میں لوٹ آنے میں مدد دی؛ اور گردش میں موجود زرعی اجناس کی مختصر تعداد نے، اور نیز اکثر ان کی ایک ایک صدی تک یکساں نوعیت کی پیداوار نے اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کی۔ اور یہ کہ ان مصنوعات کی قدر کی نسبتی مقدار خاصی قریب مقرر کرنے میں زیادہ عرصہ نہ لگنا اس حقیقت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مویشی، جو ایک ایسی شے

ہے جس کی انفرادی راس کی پیداوار کے لیے طویل مدت درکار ہونے کے باعث یہ سب سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے، عام طور پر تسلیم شدہ روپیہ، شے سب سے پہلے بن گئے۔ اس کے حصول کے لیے مویشیوں کی قدر میں بہت ساری دوسری اشیاء سے ان کے تبادلے کے تناسب میں نسبتاً غیر معمولی ٹھہراؤ پہلے ہی آچکا ہوگا جس کو بہت سے قبیلوں کے علاقوں میں بے چوں و چراں مان لیا جاتا ہوگا۔ اور اس زمانے کے لوگ، مویشی پالنے والے اور ان کے گاہک دونوں، یقیناً اتنے سمجھدار تو ہوں گے ہی کہ اپنے صرف کیے ہوئے وقتِ محن کو تبادلے کی تجارت میں اس کے برابر کا کچھ لیے بغیر نہ دیں۔ اس کے برعکس شے کی پیداوار کی ابتدائی حالت سے لوگ جتنے زیادہ قریب ہوتے ہیں، مثلاً روسی اور مشرقی لوگ، وہ آج بھی کسی چیز پر صرف کیے ہوئے اپنے وقتِ محن کا پورا پورا معاوضہ حاصل کرنے کے لیے عرصے تک سخت سودے بازی میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں۔

وقتِ محن سے قدر کا اس طرح تعین کرنے سے آغاز کرتے ہوئے مجموعی طور پر شے کی پیداوار نے نشوونما پائی، اور اس کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے ان تعلقات نے جن میں قانون قدر کے مختلف پہلو اپنا اثر جماتے ہیں، جیسا کہ ''سرمایہ'' کی جلد اول کے پہلے حصے میں واضح کیا جا چکا ہے، یعنی خصوصاً وہ حالات جن میں صرف محنت ہی ایسی چیز ہوتی ہے جو قدر پیدا کیا کرتی ہے۔ یہ وہ حالات ہوتے ہیں جو شرکاء کے شعور میں داخل ہوئے بغیر اپنا تسلط جما لیتے ہیں اور روزمرہ کے معمولات سے ان کو بڑی محنت کے ساتھ نظریاتی تحقیق کے ذریعے علیحدہ کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے یہ قوانین فطرت کی طرح عامل ہوتے ہیں اور، جیسا کے مارکس نے ثابت کیا ہے، جنس تجارت کی پیداوار کی نوعیت سے اخذ ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ گہری پیش قدمی دھات کے روپے کی جانب تبدیلی میں ہوئی تھی، لیکن جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ شے کے تبادلے کی سطح پر وقتِ محن سے قدر کا تعین کیا جانا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ عملی نقطۂ نظر سے قدر کا فیصلہ کن پیمانہ زر نقد بن گیا، اس وقت اور بھی زیادہ جبکہ تجارت میں داخل ہونے والی اشیاء زیادہ متنوع ہو گئیں، وہ جتنے زیادہ دور کے ملکوں سے آنے لگیں اور اس لیے ان کی پیداوار پر صرف ہونے والے وقت محنت کی پڑتال کرنا اُتنا ہی کم ممکن ہوتا گیا۔ خود روپیہ عموماً غیر علاقوں سے آتا؛ حتیٰ کہ جب قیمتی دھاتیں خود ملک کے اندر ہی پائی

جاتیں، کسان اور دستکار ایک حد تک تو ان میں لگی ہوئی محنت کا قریب قریب تخمینہ نہیں کر سکتے تھے اور ایک حد تک قدر کی پیائش کرنے کی محنت کی صفت کے بارے میں خود ان کا شعور بھی روپے میں حساب لگانے کی عادت کے باعث ماند پڑ چکا تھا؛ عام لوگوں کے ذہن میں روپے نے قدر مطلق کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔

مختصر یہ کہ مارکسی قانونِ قدر عام طور پر اس حد تک جس حد تک کہ معاشی قوانین واجب ہوا کرتے ہیں سادہ شے کی پیداوار کے پورے دور کے لیے صادق آتا ہے یعنی اس وقت تک جبکہ موخرالذکر میں، سرمایہ دارانہ طریقہ پیدوار کے نمودار ہو جانے سے تبدیلی آجاتی ہے۔ اس وقت تک قیمتیں ان قدروں کی جانب مائل رہتی ہیں جو مارکسی قانون کے مطابق مقرر ہوتی ہیں اور انہی قدروں کے چاروں طرف منڈلاتی رہتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سادہ جنس تجارت کی پیداوار جس قدر مکمل طریقے سے نشوونما حاصل کرتی ہے، اسی قدر زیادہ اوسط قیمتیں عرصہ دراز تک، شدید بیرونی خلل سے اثر انداز ہوئے بغیر قدر سے اس طرح مطابقت رکھتی ہیں کہ فرق قابل نظر انداز ہوتا ہے۔ اس طرح قدر کا مارکسی قانون اس دور کے لیے عمومی معاشی صداقت کا حامل ہے جو کہ مبادلے کے آغاز سے 15 ویں صدی تک محیط ہے اور جس میں مصنوعات کو اشیاء میں بدل دیا جاتا ہے۔ لیکن اشیاء کا تبادلہ اس وقت سے شروع ہوا جب تاریخ نویسی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا اور یہ زمانہ مصر میں کم از کم ڈھائی ہزار سال قبل مسیح تک اور شائد پانچ ہزار سال قبل مسیح تک پہنچتا ہے اور بابل میں چار ہزار سال قبل مسیح، شائد چھ ہزار سال قبل مسیح تک؛ اس طرح قانون قدر پانچ سے سات ہزار سال تک جاری وساری رہا۔ آیئے اب ہم جناب لوریا کا کمال دیکھیں جو اس دور میں عام طور پر اور براہ راست صادق آنے والی قدر کو ایک ایسی قدر کہتے ہیں جس پر اشیاء کبھی بھی فروخت نہیں ہوئی تھیں، نہ کبھی فروخت ہو سکتی ہیں اور جس پر کوئی بھی معاشیات دان، جس کے پاس عقل سلیم ایک چنگاری بھر بھی موجود ہے کبھی بھی مغز پچی نہیں کرے گا!

ہم نے اب تک سوداگر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے اس کی مداخلت پر غور کرنے کو اس وقت تک کے لیے اٹھا رکھا تھا جب ہم شے کی سادہ پیداوار سے سرمایہ دارانہ پیداوار میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس سماج میں تاجر ایک انقلابی عنصر تھا جس میں اس کے علاوہ ہر چیز جامد تھی، گویا کہ جامد پن اس کو وراثت میں ملا تھا؛ جہاں کسان کو صرف اپنی معاش کے لیے کافی قطعۂ اراضی ملا ہوا تھا بلکہ

مالک مطلق کی حیثیت سے، آزاد یا غلام معافی دار کسان کا یا زرخرید کسان کا درجہ بھی اور شہری دستکار کو اپنا پیشہ اور اپنی ہم پیشہ انجمن کی مراعات بھی ورثے میں اور قریب قریب غیر منفک طریقے سے ملی ہوئی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس اس کے علاوہ اپنے گاہک تھے، اپنی منڈی نیز اپنا ہنر، موروثی دستکاری جس کی تربیت انہوں نے بچپن سے حاصل کی تھی۔ پھر اس دنیا میں سوداگر داخل ہوا جس کے ساتھ ہی اس کے انقلاب کو شروع ہونا تھا۔ لیکن باشعور انقلابی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے برعکس اس کے گوشت و پوست کی حیثیت سے۔ قرون وسطی کا سوداگر کسی طرح بھی انفرادیت پسند نہیں ہوا کرتا تھا، وہ اپنے تمام ہم عصروں کی طرح اصل میں شریک کار ہوتا تھا۔ زرعی برادری (مارک) کا، جو زمانہ قدیم کے کمیونزم سے چلتی چلی آ رہی تھی، دیہات میں غلبہ تھا۔ ابتدا میں ہر کسان کے پاس برابر کا قطعۂ اراضی ہوا کرتا تھا، ہر قسم کی زمین کے برابر برابر کے ٹکڑے اور برادری کے حقوق میں اسی مطابقت سے برابر کا حصہ۔ جب زرعی برادری بن گئی اور نئے قطعات اراضی کی تقسیم بند ہو گئی تو اس کے بعد وراثت وغیرہ کے ذریعے قطعات اراضی کے حصے ہونے شروع ہو گئے اور اس کے مطابق ہی برادری کے اندر مشترک حقوق کے بھی حصے ہوئے؛ لیکن پورا حلقۂ قطعۂ اراضی ایک اکائی رہا چنانچہ آدھے، چوتھائی آٹھویں حصے حلقۂ قطعہ کے ساتھ برادری میں بھی حقوق آدھے، چوتھائی، آٹھویں حصے ہوتے تھے۔ بعد کی تمام پیداواری انجمنیں، خصوصاً شہروں میں، ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں، جن کے قواعد وضوابط کا زمین کے ایک محدود علاقے کے بجائے دستکاری کی تخصیص کے مطابق اطلاق ہوتا تھا، زرعی برادری کے نقش قدم پر چلیں۔ پوری تنظیم کا مرکزی نقطہ ہم پیشہ انجمن کو ضمانت شدہ مراعات اور منافع میں ہر رکن کی برابر کی شرکت کا تھا، جیسا کہ ایلبر فیلڈ اور بارمین میں سوت کی تجارت کے 1527ء کے لائسنس سے واضح طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ (تھون: ''انڈسٹری ایم نیڈرہین'' جلد دوئم، صفحہ 146۔) یہی بات معدنی کانوں کی ہم پیشہ انجمنوں پر صادق آتی ہے، جہاں ہر حصہ برابر سے شرکت کیا کرتا تھا اور وہ قابل تقسیم بھی تھا، اپنے حقوق اور فرائض کے ساتھ، ٹھیک اس طرح جس طرح کسی زرعی برادری میں حلقۂ قطعۂ اراضی کے مالک کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ یہی بات سوداگروں کی ان کمپنیوں پر بھی کسی طرح کم صادق نہیں آتی جنہوں نے سمندر پار تجارت کا آغاز کیا تھا۔ سکندریہ یا قسطنطنیہ کی جہازی گودیوں میں وینس اور جینووا کے لوگ، ہر ''قوم'' اپنے علیحدہ ''فونڈاکو'' کے، رہائشی مکان،

سرائے، گودام نمائش اور مال فروخت کرنے کے کمرے، بمعہ مرکزی دفاتر، مکمل تجارتی اشتراکوں کی تشکیل کیا کرتے؛ مقابلہ کرنے والوں اور گاہکوں کا داخلہ وہاں ممنوع ہوتا تھا؛ وہ ان قیمتوں پر مال فروخت کیا کرتے تھے جو وہ آپس میں طے کرتے؛ ان کی اشیاء کی ایک مقرر کوالٹی ہوا کرتی تھی جس کی عوام کے معائنے سے اور اکثر بذریعہ مہر ضمانت ہوتی تھی؛ وہ مل جل کر غور کیا کرتے تھے کہ مقامی باشندے ان کے مال وغیرہ کی کیا قیمتیں ادا کریں، وغیرہ۔ ناروے کے شہر برگین میں ''جرمن پل'' پر (ٹائنڈز کے برائیگن) ہنزائی سوداگروں کا طرز عمل بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ ان کے مدمقابل ولندیزیوں اور انگریزوں پر بھی یہی صادق آتا ہے۔ جو شخص کم داموں پر فروخت کرتا یا مہنگے داموں خریدتا وہ مصیبت میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا!

اس کا جو بائیکاٹ ہوتا اس کا ناگزیر انجام ان دنوں اس کی تباہی و بربادی ہوتا، ان براہ راست جرمانوں کے علاوہ جو کہ قصورواروں پر ان کی انجمن عائد کیا کرتی تھی۔ متعین مقاصد کے لیے اس سے بھی زیادہ گھٹی ہوئی انجمنیں قائم کی گئی تھی، جیسے کہ چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں جینووا کی ماؤنا جو اشیائے کو چک میں واقع فوکائی کی پھٹکری کی کانوں پر برسوں حکمرانی کرتی رہی، جزیرہ حیوس پر بھی؛ علاوہ ازیں، عظیم الشان رویز برگ ٹریڈنگ کمپنی جو چودھویں صدی کے آخر سے اٹلی اور سپین سے کاروبار کر رہی تھی اور ان ملکوں میں اپنی شاخیں قائم کر لی تھی؛

آگسبرگروں کی جرمن کمپنی: فگر، ویلزر، فاھلن، ہوشٹیڑ وغیرہ؛ نورینبرگروں کی کمپنی: ہرش فوگیل اور دوسرے، جس نے 66 ہزار ڈوکٹ کے سرمائے اور تین جہازوں کے ساتھ 06-1505ء میں پرتگالیوں کی ہندوستانی مہم میں حصہ لیا اور 150 فیصدی کا منافع کمایا تھا، دوسروں کے قول کے مطابق 175 فیصدی کا۔ (ھے آئڈ: ''لیوانٹے ہانڈیل'' جلد 2، صفحہ 524) اور بہت ساری دوسری کمپنیاں، ''مونوپولیا''، جن پر لوتھر نے خوب غصہ اتارا ہے۔

منافع اور شرح منافع سے ہمیں یہاں پہلی بار سابقہ پڑتا ہے۔ تاجر کی کوششوں کا جانا بوجھا، شعوری مقصد منافع کی اس شرح کو تمام شرکاء کے لیے مساوی کرنا ہوتا ہے۔ بحیرۂ روم کے مشرقی خطے میں اہل وینس اور شمال میں ہنزائی اپنی اشیاء کی وہی قیمت ادا کیا کرتے تھے جو ان کے پڑوسی، ان کے نقل و حمل کے اخراجات وہی ہوا کرتے تھے، ان کو اپنے مال کی وہی قیمتیں ملا کرتی تھیں اور واپسی کا مال وہ ان قیمتوں پر ہی خریدا کرتے تھے جن پر ان کی ''قوم'' کا کوئی اور سوداگر۔

اس طرح منافع کی شرح سب کے لیے برابر تھی۔ بڑی بڑی تاجر کمپنیوں میں ادا کیے ہوئے سرمائے کے حصے کے حساب سے منافع کی تقسیم اسی طرح سے ایک تسلیم شدہ امر ہے جس طرح کہ حلقۂ قطعۂ اراضی میں حصوں کے حساب سے زرعی برادری کے حقوق میں حصہ ہوا کرتا تھا یا کان کنی کے حصوں کے حساب سے کان کنی کے منافع میں۔ مساوی شرح منافع، جو اپنی پوری ارتقائی شکل میں سرمایہ دارانہ پیداوار کے حتمی نتائج میں سے ایک ہے، یہاں اس طرح اپنی سادہ ترین شکل میں ان نقطوں میں سے ایک نقطے کی طرح ظاہر ہوتا ہے جہاں سے تاریخی اعتبار سے سرمائے کی، درحقیقت زرعی برادری (مارک) کی براہ راست ایک شاخ کی حیثیت سے، ابتدا ہوئی تھی جو کہ اپنی باری میں زمانہ قدیم کے کمیونزم کی براہ راست ایک شاخ تھی۔

یہ ابتدائی شرح منافع ضرورتاً بہت ہی بلند تھی۔ تجارت میں بڑا خطرہ ہوتا تھا صرف اس لیے نہیں کہ لٹیرے جگہ جگہ پائے جاتے تھے؛ مقابلہ بازی کرنے والی قومیں بھی، جب کبھی موقع ہاتھ آتا تو ہر قسم کی پرتشدد کارروائیاں روا رکھتی تھیں؛ آخر میں یہ کہ فروخت اور منڈیوں میں کاروبار کے حالات غیر ملکی مقامی حکمرانوں کے جاری کیے ہوئے اجازت ناموں پر مبنی ہوا کرتے تھے جو اکثر ایسا ہوتا کہ تبدیل یا منسوخ کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ منافع میں بیمے کی ایک بھاری قسط بھی شامل ہوا کرتی تھی۔ پھر کل لین دین کی رفتار سست تھی جو سودے ہو جاتے تھے ان کے مطابق مال پہنچانے میں زیادہ لمبا عرصہ لگتا تھا، اور بہترین زمانوں میں جو مانی ہوئی بات ہے کہ کبھی کبھار طویل مدت کے ہوا کرتے تھے، تجارتی کاروبار اجارہ دارانہ ہوا کرتا تھا اور جس کا منافع بھی اجارہ دارانہ ہوتا تھا۔ اس زمانے میں سود کی جو بڑی مہنگی شرحیں عام تھیں، جنہیں ہمیشہ بحیثیت مجموعی عام تاجرانہ منافع کی فی صد شرح سے کم ہی رہنا ہوتا تھا، وہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ شرح منافع اوسطاً بہت اونچی تھی۔

لیکن منافع کی یہ اعلیٰ شرح، جو تمام شرکاء کے لیے برابر کی ہوتی اور برادری کی مشترکہ محنت کے ذریعے حاصل کی جایا کرتی تھی، صرف مقامی طور پر، انجمنوں کے، یعنی اس صورت میں ''قوم'' کے اندر ہی لاگو ہوتی تھی۔ وینس والوں، جنیوا والوں، ہنزائیوں اور ولندیزیوں میں سے ہر ایک کی منافع کی اپنی اپنی خاص شرحیں ہوتی تھیں اور شروع شروع میں کم و بیش انفرادی طور پر منڈی کے ہر ایک علاقے کے لیے بھی۔ منافع کی ان مختلف انجمنی شرحوں کو مخالف سمت میں برابر کرنے کا عمل

مقابلہ بازی کے ذریعے رونما ہوا۔ پہلے ایک ہی قوم کے لیے مختلف منڈیوں میں منافع کی شرحوں کی بات کو لے لیجیے۔ اگر وینس کے مال پر قبرص، قسطنطنیہ یا تریبی زوند کی بہ نسبت سکندریہ میں زیادہ منافع حاصل ہوتا تو وینس والے اپنا سرمایہ سکندریہ کی طرف زیادہ روانہ کرنے لگ جاتے تھے اور دوسری منڈیوں کی تجارت سے اس کو کھینچ لیتے تھے۔ اس کے بعد پھر یہ لازمی طور پر ہونا تھا کہ ایک ہی منڈی میں وہی یا ویسا ہی مال برآمد کرنے والی مختلف قوموں کے درمیان منافع کی شرحیں رفتہ رفتہ برابر کی جائیں اور بارہا ایسا ہوا کہ ان میں سے بعض قوموں کو بھینچ کر پیچھے دھکیل دیا گیا اور وہ اس منظر ہی سے غائب ہو گئیں۔ لیکن اس عمل پر سیاسی واقعات متواتر خلل انداز ہوتے رہے جیسے کہ منگول اور ترک لشکر کشیوں کے باعث بحیرۂ روم کے مشرقی خطے کی تجارت کا ٹیاڈھار ہو گیا تھا؛ 1492ء کے بعد عظیم الشان جغرافیائی اور کاروباری دریافتوں نے اس زوال کی رفتار کو اور بھی تیز کر دیا اور اس کو حتمی صورت دے دی۔

اس کے بعد جو منڈی کی اچانک توسیع ہوئی اور اسی کے تعلق سے ذرائع آمدورفت میں جو انقلاب آیا اس نے کاروباری عمل کی نوعیت میں پہلے پہل کوئی اصل تبدیلی نہیں کی۔ شروع میں امداد باہمی کی کمپنیاں ہندوستان اور امریکہ سے تجارت میں حاوی رہیں۔ لیکن اول تو ان کمپنیوں کی پشت پناہ نسبتاً بڑی قومیں تھی۔ امریکہ سے تجارت میں پورے عظیم متحدہ اسپین نے انگلستان اور فرانس جیسے دو عظیم ملکوں کے ساتھ ساتھ بحیرہ روم کے مشرقی خطے سے تجارت کرنے والے کیٹا لونیوں کی جگہ لے لی؛ اور ہالینڈ اور پرتگال بھی، جو سب سے چھوٹے تھے، اب بھی کم از کم اتنے ہی بڑے اور اتنے ہی طاقتور تھے جتنے کہ وینس جو کہ سابقہ دور کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ طاقتور تاجر قوم تھی۔ اس سے مسافر سوداگر کو، سولہویں اور سترہویں صدی کے مہم جو سوداگر کو ایک پشت پناہی حاصل ہو گئی جس نے اس کمپنی کو جو اپنے شرکاء کا تحفظ ہتھیاروں سے بھی کیا کرتی تھی، روز بروز زیادہ مدافضل کر دیا اور اس کے اخراجات کو قطعی بوجھ بنا دیا۔ علاوہ ازیں ایک واحد ہاتھ میں دولت خاصی تیز رفتاری سے بڑھی، حتیٰ کہ جلد ہی انفرادی طور پر سوداگر اس قابل ہو گئے کہ کسی کاروبار میں اتنا ہی سرمایہ لگا سکیں جتنا کہ پہلے پوری ایک کمپنی لگایا کرتی تھی۔ تجارتی کمپنیاں جو جہاں کہیں ابھی تک موجود تھیں، عموماً مسلح اجتماعی اداروں میں تبدیل ہو گئیں اور اصل وطن کے تحفظ اور اختیار کے تحت پورے کے پورے نو دریافت ملکوں کو فتح کرنے اور اجارہ دارانہ انداز میں ان کا استحصال

کرنے لگ گئیں۔لیکن نئے علاقوں میں جتنی نوآبادیاں قائم ہوتیں، جو بڑی حد تک ریاست قائم کرتی، کمپنی کی تجارت انفرادی سوداگر کے مقابلے میں اتنی ہی پیچھے ہٹتی چلی جاتی اور منافع کی شرح کو مساوی کرنے کی بات اس کے ساتھ ہی زیادہ سے زیادہ حد تک مقابلہ بازی کا معاملہ بن گئی۔

اب تک ہم صرف سوداگری سرمائے کی شرح منافع سے روشناس ہوئے ہیں۔کیونکہ اس وقت تک ابھی صرف سوداگر اور سودخور کے سرمائے کا ہی وجود تھا۔صنعتی سرمائے کا ابھی ارتقاء ہونا باقی تھا۔پیداوار ابھی تک زیادہ تر ان مزدوروں ہی کے ہاتھوں میں تھی جو اپنے ذرائع پیداوار کے خود ہی مالک تھے جن کی محنت کسی بھی سرمائے کے لیے کوئی قدر زائد پیدا نہیں کیا کرتی تھی۔اگر ان کو اپنی پیداوار کا ایک حصہ تیسرے فریقوں کو بلا معاوضہ دے دینا پڑتا تھا تو یہ جاگیرداروں کو خراج کی شکل میں ہوا کرتا تھا۔اس لیے سوداگری سرمایہ اپنا منافع، کم از کم شروع شروع میں، صرف ملکی مال کے غیر ملکی خریداروں یا غیر ملکی مصنوعات کے ملکی خریداروں سے ہی حاصل کر سکتا تھا۔اس دور کے ختم ہو جانے پر ہی، یعنی اٹلی کے لیے بحیرۂ روم کی تجارت کے زوال کے بعد، غیر ملکی مقابلے بازی اور فروخت کرنے میں درپیش ہونے والی مشکلیں دستکاری کا مال تیار کرنے والے کو مجبور کر سکیں کہ وہ اپنی برآمد ہونے والی مصنوعات کو برآمد کرنے والے سوداگر کے ہاتھ اصل قدر سے کم پر فروخت کرے۔ اور اس طرح یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ انفرادی طور پر مال تیار کرنے والے لوگ ایک دوسرے سے اندرونی خردہ فروشی کی تجارت میں اشیاء کو اوسطاً ان کی اپنی قدر کے مطابق فروخت کرتے ہیں، لیکن جو وجہیں بیان کی جا چکی ہیں ان کے باعث بین الاقوامی تجارت میں نہیں۔ بلکہ آج کل کی دنیا کے قطعاً برعکس، جہاں بین الاقوامی اور تھوک تجارت میں پیداواری قیمتوں کا دور دورہ ہے، شہری خردہ فروشی کی تجارت میں قیمتوں کی تشکیل پر منافع کی بالکل دوسری شرحیں حاوی ہوتی ہیں۔چنانچہ مثلاً آج بیل کے گوشت میں لندن کے تھوک فروش سے انفرادی طور پر لندن کے صارف تک پہنچنے میں داموں میں اضافہ شکاگو کے تھوک فروش کے پاس سے پہنچنے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے جبکہ اس میں لندن کے تھوک فروش کے پاس بھیجنے کے باربرداری کے مصارف بھی شامل ہوتے ہیں۔

قیمت کی تشکیل میں رفتہ رفتہ یہ انقلاب لانے والا وسیلہ صنعتی سرمایہ تھا۔موخرالذکر کی ابتدائی صورتیں قرون وسطی میں تین میدانوں، جہاز رانی، کان کنی اور کپڑا بننے، میں تشکیل پا چکی تھیں۔ اطالوی اور ہنزائی جہازراں جمہوریائیں جس پیمانے پر جہاز رانی کیا کرتی تھیں وہ اس زمانے کے

بادبانی جہازوں کے لیے ملاحوں کے، یعنی اجرتی مزدوروں کے بغیر (جن کا اجرتی تعلق ممکن ہے کہ منافع میں حصے داری کے ساتھ انجمن سازی کی ہیئتوں میں پوشیدہ ہو گیا ہو)، یا چپو چلانے والے اجرتی مزدوروں یا غلاموں کے بغیر ناممکن تھی۔ معدنیات کی کانوں میں ہم پیشہ انجمنیں شروع میں مزدوروں کو اپنے اندر شامل کر لیتی تھیں، اجرتی مزدوروں کے ذریعے کانوں سے استفادہ کرنے کے لیے اب قریب قریب ہر صورت میں املاکی کمپنیوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ اور کپڑا بُننے کی صنعت میں سوداگر نے اُس کو سوت مہیا کر کے اور مقررہ اجرت کے بدلے میں اپنے حساب میں اس سے کپڑا تیار کرا کے، مختصر یہ کہ اپنے آپ کو محض ایک خریدار کی جگہ نام نہاد ٹھیکیدار میں تبدیل کر کے اُسے براہ راست اپنی ملازمت کے دائرے میں لے لیا۔

یہاں ہمیں سرمایہ دارانہ قدر زائد کی تشکیل کی اولین شروعات ملتی ہیں۔ کان کنی کی ہم پیشہ انجمنوں کو بند اجارہ دارانہ کارپوریشنوں کی حیثیت سے ہم نظر انداز کر سکتے ہیں۔ جہاز کے مالکوں کے تعلق سے یہ بات واضح ہے کہ ان کے منافع کو کم از کم اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ ملک میں مروج ہو اور اس میں مزید اضافہ جہازوں کے بیمے، ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کی رعایت سے کر دیا گیا ہو۔ لیکن کپڑا بنوانے والے ٹھیکیداروں کا معاملہ کیا تھا جو پہلے، براہ راست سرمایہ دارانہ حساب پر بنائی گئی اشیاء کو اسی وضع کی اشیاء کے مقابلے میں لے کر منڈی آئے تھے جو دستکاری کے حسابوں بنائی گئی تھی؟

سوداگری سرمائے کی شرح منافع شروع کرنے کے لیے موجود تھی۔ اسی طرح اس کو کم از کم متعلقہ مقام کے لیے، قریب قریب اوسط شرح کے برابر کر دیا گیا تھا۔ اب کیا چیز تھی جو سوداگر کو اس بات کی جانب مائل کرتی کہ وہ ٹھیکیدار کا فاضل کاروبار سنبھالے؟ صرف ایک چیز: دوسروں جیسی قیمت فروخت پر نسبتاً زیادہ منافع حاصل ہونے کا امکان۔ اور یہ امکان اس کو میسر تھا۔ چھوٹے سے کاری گر کو اپنی ملازمت میں لے کر اس نے پیداوار کے ان روایتی بندھنوں کو توڑ دیا جن کے اندر مال تیار کرنے والا اپنا تیار مال فروخت کیا کرتا تھا، اور کچھ نہیں کیا۔ سوداگر سرمایہ دار نے وہ قوتِ محن خریدی جو ابھی تک اپنے آلات پیداوار کی تو مالک تھی مگر کچے مال کی مالک نہیں رہ گئی تھی۔ اس طرح جولاہے کو باقاعدہ کام میں مصروف رہنے کی ضمانت کر کے وہ جولاہے کی اجرت کو اس درجے تک کم کر سکتا تھا کہ جو وقت محنت اس نے فراہم کیا، اس کا ایک حصہ بے معاوضہ رہا۔ ٹھیکیدار اس طرح اپنے تاجرانہ منافع کے علاوہ قدر زائد کو حاصل کرنے والا بھی بن گیا۔ مانی ہوئی بات ہے

کہ اس کو سوت وغیرہ خریدنے پر مزید سرمایہ لگانا پڑا اور اس کو جولاہے کے ہاتھ میں اس وقت تک کے لیے دینا پڑا جب تک کہ وہ چیز، جس کے وہ پورے دام پہلے اسے خریدتے وقت دیا کرتا تھا، بن کر تیار نہ ہو جائے۔ لیکن اول تو جولاہے کو بیشتر صورتوں میں پیشگیاں دینے میں اس نے فاضل سرمایہ پہلے ہی استعمال کر لیا تھا، جو عموماً قرضے کے دباؤ کے تحت پیداوار کی نئی شرائط پر ہی راضی ہوا۔ اور دوسرے، اس کے علاوہ حساب نے مندرجہ ذیل صورت اختیار کی:

فرض کیجئے کہ ہمارا سوداگر اپنا برآمدی کاروبار 30 ہزار ڈوکٹ، سیکوئین، پاؤنڈ اسٹرلنگ کے یا جو بھی صورت ہو، سرمائے سے کرتا ہے۔ اس میں سے فرض کیجئے 10 ہزار دیسی مال خریدنے میں لگا ہوا ہے جب کہ 20 ہزار سمندر پار کی منڈی میں استعمال ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ دو سال میں ایک بار سرمایہ لوٹ آتا ہے سالانہ الٹ پھیر 15 ہزار۔ اب ہمارا سوداگر ٹھیکیدار بننا چاہتا ہے؛ کپڑا خود اپنے حساب میں بنوانا چاہتا ہے۔ مزید کتنا سرمایہ لگانا ہوگا؟ فرض کیجیے کہ جس قسم کا کپڑا وہ فروخت کرتا ہے اس کی پیداوار کی مدت اوسطاً دو مہینے کی ہوتی ہے، جو یقیناً بہت زیادہ ہے۔ مزید یہ بھی فرض کر لیجئے کہ ہر چیز کے دام اس کو نقد چکانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ اس کو اتنا سرمایہ پیشگی دینا چاہیے جس سے اس کے جولاہوں کو دو ماہ تک سوت فراہم ہوتا رہے۔

چونکہ اس کی تجارت کا الٹ پھیر 15 ہزار سالانہ کا ہے اس لیے وہ دو ماہ میں 2500 کا کپڑا خریدتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اس میں سے سوت کی قدر کا اظہار 2 ہزار سے ہوتا ہے اور 500 سے بنکروں کی اجرتوں کا، تب ہمارے سوداگر کو 2 ہزار کا مزید سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ نئے طریقے سے جو قدر زائد وہ جولاہے سے ہتھیا لیتا ہے وہ کل ملا کر کپڑے کی قدر کی 5 فیصدی ہوتی ہے، جس سے قدر زائد کی شرح یقینی طور پر نہایت ہی قلیل، 25 فیصدی بنتی ہے۔

(2000c+500v+125s=125/500=25فیصدی، p'؛ 125/2500=5فیصدی)[3]

تو پھر ہمارا سوداگر 15 ہزار کی سالانہ تاجرانہ الٹ پھیر میں 750 فاضل منافع حاصل کر لیتا ہے اور اس طرح اس کو اپنا مزید لگایا ہوا سرمایہ $2\frac{2}{3}$ سال میں واپس مل جاتا ہے۔

لیکن اپنی بکری کی رفتار اور اس طرح سرمائے کی الٹ پھیر بڑھانے کی غرض سے، اس طرح وہی منافع اسی سرمائے سے نسبتاً زیادہ مختصر مدت میں اور اس لیے ایک ہی مدت میں نسبتاً زیادہ منافع حاصل کرتے ہوئے وہ اپنی قدر زائد کا ایک چھوٹا سا حصہ خریدار کو پیش کر دے گا، وہ

اپنے مقابلہ بازوں سے زیادہ سستا فروخت کرے گا۔ یہ بھی رفتہ رفتہ ٹھیکیداروں میں بدل جائیں گے اور پھر ان سب کے لیے فاضل منافع معمولی منافع بن کر رہ جائے گا یا یہاں تک کہ اس سرمائے پر جو ان سب کے لیے بڑھ گیا ہے نسبتاً کم منافع۔ شرح منافع کی برابری، اندرون ملک بنائی ہوئی قدر زائد کا ایک حصہ غیر ملکی خریداروں کے حوالے کر دیئے جانے کے باعث، ممکن ہے کسی اور سطح پر، پھر سے قائم ہوگئی ہو۔

سرمائے کی ماتحتی میں صنعت کے آجانے کا اگلا قدم مینوفیکچر شروع ہونے کے ذریعے اٹھتا ہے۔ اس سے بھی مینوفیکچر رکو، جو سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں، عموماً جرمنی میں 1850ء تک اور کہیں کہیں آج تک بھی، اکثر و بیشتر خود ہی برآمدی تاجر بھی ہوا کرتا تھا، سہولت حاصل ہوتی ہے کہ وہ پرانی طرز سے مقابلہ کرنے والے یعنی دستکار کی بہ نسبت پیداوار زیادہ سستی حاصل کر لے۔ یہی عمل دہرایا جاتا ہے: قدر زائد جو مینوفیکچر کرنے والا سرمایہ دار ہتھیا لیتا ہے اس کو (یا برآمدی تاجر کو جو اس سے حصہ بٹاتا ہے) اس قابل کر دیتی ہے کہ وہ مقابلہ کرنے والوں کی بہ نسبت اپنا مال زیادہ سستا فروخت کرے، حتیٰ کہ نئی طرز کی پیداوار عام طور سے جاری ہو جائے، جبکہ برابر ہو جانے کا عمل پھر سے رونما ہوتا ہے۔ پہلے سے موجود تاجرانہ شرح منافع، چاہے وہ صرف مقامی طور پر ایک ہی سطح پر لے آئی گئی ہو، پروکرسٹیزی چارپائی (4) کی طرح رہتا ہے جس سے مراد یہ کہ ایک حد سے زیادہ صنعتی قدر زائد کی بلاتردد کاٹ چھانٹ کر دی جاتی ہے۔

اگر کارخانہ داری اشیاء کے سستا کرنے سے آگے بڑھ جاتی ہے، یہ بات جدید صنعت پر اور بھی زیادہ صادق آتی ہے، جس کے زور سے اشیاء کی پیداوری لاگت، پیداوار میں بار بار آنے والے انقلابات کے باعث، کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے اور پیداوار کے سابقہ طریقوں کو بے دردی سے مٹا دیتی ہے۔ وہ بھی بڑے پیمانے کی صنعت ہی ہوتی ہے جو اس طرح آخر کار گھریلو منڈی کو سرمائے کے لیے فتح کر لیتی ہے، چھوٹے پیمانے کی پیداوار اور کسان کنبے کی خود کفیل معیشت کا خاتمہ کر دیتی ہے، چھوٹے پیمانے پر مال تیار کرنے والوں کے درمیان براہ راست تبادلے کو مٹا دیتی ہے اور پوری قوم کو سرمائے کی خدمت پر مامور کر دیتی ہے۔ اسی طرح یہ مختلف تجارتی اور صنعتی شاخوں کی منافع کی شرحوں کو برابر کر کے واحد عام شرح منافع میں تبدیل کر دیتی ہے اور ایک شاخ سے دوسری شاخ میں سرمائے کے منتقل ہونے کے راستے میں پہلے جو رکاوٹیں کھڑی تھیں ان میں

سے بیشتر کو مٹا کر، برابر کرنے کے اس عمل کے دوران میں صنعت کو اقتدار کے اس مقام کی ضمانت کر دیتی ہے جو اس کا حصہ ہوتا ہے۔ اس طرح سے بحیثیت مجموعی سارے تبادلے کے لیے پیداوار کی قیمتوں میں قدروں کی تبدیلی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ یہ تبدیلی معروضی قوانین کے مطابق عمل میں آتی ہے جس میں شرکاء کے شعور اور ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ نظریاتی اعتبار سے اس میں قطعی کوئی مشکل نہیں ہے کہ مقابلے بازی ان منافعوں کو اس صورت میں عام سطح کی حد تک گھٹا دیتی ہے جو عام شرح سے آگے نکل جاتے ہیں، اس طرح صنعتی طریقے سے قدر زائد سب سے پہلے ہتھیا لینے والے کو اوسط پر سبقت حاصل کرنے سے باز رکھتی ہے۔ لیکن عملی طور پر اس میں مشکلات زیادہ ہیں کیونکہ پیداوار کی شاخیں جن میں قدر زائد ایک حد سے زیادہ ہو، تغیر پذیر سرمایہ زیادہ اور بقا پذیر سرمایہ کم ہو، یعنی جن میں ادنیٰ ساخت کا سرمایہ ہو، خود اپنی نوعیت کے باعث ایسی شاخیں ہوتی ہیں جو سرمایہ دارانہ پیداوار سے متاثر سب سے آخر میں اور سب سے زیادہ کم مکمل طور پر ہوا کرتے ہیں، خصوصاً زراعت۔ دوسری طرف، پیداواری قیمتوں کا اشیائے تجارت کی قدروں سے زیادہ بلند ہونا، جس کی ضرورت کم قدر زائد کو اوسط شرح منافع کی سطح پر بلند کرنے کے لیے ہوا کرتی ہے، جو کہ اعلیٰ ساخت کے سرمائے کی شاخوں میں تیار کی ہوئی جنس تجارت میں ہوتی ہے، نظری اعتبار سے انتہائی مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، عملاً سب سے جلدی اور سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ بروئے عمل آجاتا ہے۔ کیونکہ جب اس وضع کی اشیائے تجارت سرمایہ دارانہ انداز میں پیدا ہوتی ہیں اور سرمایہ دارانہ تجارت میں داخل ہوتی ہیں تو وہ اسی نوعیت کی ان اشیائے تجارت سے مقابلہ کرتی ہیں جو سرمایہ داری سے پہلے کے طریقوں کے مطابق تیار ہوئی تھیں اور اس لیے زیادہ مہنگی تھیں۔ اس طرح، مال تیار کرنے والا سرمایہ دار اگر قدر زائد کے ایک حصے سے دستبردار بھی ہو جائے تو بھی وہ وہی شرح منافع حاصل کر سکتا ہے جو مقامی طور پر اس کے ہاں مروج ہو، جس کا ابتداء میں قدر زائد سے کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا کیونکہ اس کا آغاز تو سوداگری سے کسی بھی سرمایہ دارانہ پیداوار کے آغاز سے ایک عرصہ قبل ہی ہو چکا تھا اور اس لیے اس سے پہلے جبکہ کوئی صنعتی شرح منافع ممکن ہوتی۔

2۔اسٹاک ایکسچینج

1۔عام طور پر سرمایہ دارانہ پیداوار میں اسٹاک ایکسچینج کا مقام جلد سوئم کے پانچویں حصے سے، خصوصاً ستائیسویں باب سے واضح ہو گیا ہے۔لیکن 1865ء سے جبکہ یہ کتاب لکھی گئی تھی اب تک تبدیلی رونما ہو گئی ہے جس نے آج اسٹاک ایکسچینج کے کردار کو قابل لحاظ حد تک بڑھا دیا ہے اور متواتر بڑھا رہی ہے اور جو اپنے ارتقا کے ساتھ ساتھ تمام پیداوار کو، صنعتی بھی اور زرعی بھی، اور تمام تجارتی کاروبار کو، رسل و رسائل کے وسیلوں و نیز تبادلے کے وظائف کو اسٹاک ایکسچینج کے کارندوں کے ہاتھوں میں مرکوز کرنے کی جانب مائل ہے؛ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسٹاک ایکسچینج خود سرمایہ دارانہ پیداوار کا سب سے زیادہ ممتاز نمائندہ بن جاتا ہے۔

2۔1865ء میں اسٹاک ایکسچینج ابھی سرمایہ دارانہ نظام میں ایک ثانوی عنصر تھا۔تبادلے کی ہنڈیوں کا بیشتر حصہ سرکاری بانڈوں کی شکل میں ہوا کرتا تھا اور ان کا کل میزان تک ابھی نسبتاً کم تھا۔علاوہ ازیں مشترکہ اثاثے کے بینک تھے جن کا یورپی براعظم اور امریکہ میں غلبہ تھا اور جنہوں نے انگلستان میں امراء کے نجی بینکوں کو اپنے میں جذب کرنا ابھی شروع ہی کیا تھا، لیکن کل ملا کر دیکھا جائے تو وہ ابھی نسبتاً غیر اہم تھے۔آج کل کے زمانے کی بہ نسبت ریلوے کے حصص ابھی نسبتاً کمزور تھے۔اسٹاک کمپنی کی شکل میں براہ راست پیداواری کاروباری ادارے ابھی تک محض چند ہی تھے، اور بینکوں کی طرح، بیشتر نسبتاً غریب ملکوں جرمنی، آسٹریا، امریکہ وغیرہ میں۔''چشم وزیر'' ابھی تک ایسا واہمہ تھا جس پر عبور حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

اس وقت تک اسٹاک ایکسچینج ابھی ایک ایسا مقام تھا جہاں سرمایہ دار ایک دوسرے کا جمع سرمایہ لے لیا کرتے تھے اور جس کا مزدوروں سے براہ راست تعلق سرمایہ دارانہ معیشت کے ہمت پست کر دینے والے عام تاثر کے ایک نئے ثبوت کی حیثیت ہی سے اور کالوینی (Calvinist) فلسفے کی توثیق کی حیثیت سے تھا کہ تقدیر (یعنی اتفاق) نجات و عذاب کا، دولت یعنی خوشیوں اور اقتدار کا اور مفلسی یعنی مصیبت اور محکومیت کا اسی زندگی میں ہی فیصلہ کر دیتی ہے۔

3۔اب حالت اس کے برعکس ہے۔1866ء کے بحران کے بعد سے جمع روز افزوں تیز رفتاری سے ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کسی بھی صنعتی ملک میں پیداوار کی توسیع جمع کی توسیع کی برابری نہیں کر سکی، انگلستان میں تو یہ سب سے کم ہوا، یا انفرادی طور پر کسی سرمایہ دار کی جمع اس

کے خود اپنے کاروبار کو بڑھانے میں پوری طرح استعمال میں لائی جاسکی ہو: برطانوی کپاس کی صنعت تو بہت پہلے 1845ء ہی میں؛ ریلوے کی دھوکے بازیاں۔لیکن اس اجماع کے ساتھ ساتھ منافع خوروں کی تعداد بھی بڑھی یعنی ایسے لوگوں کی جو کاروبار کے روزمرہ کے کھنچاؤ سے اکتا گئے تھے اور اس لیے محض یہ چاہتے تھے کہ کہیں صرف اپنا جی بہلائیں یا کمپنیوں کے ڈائریکٹروں یا گورنروں کی حیثیت سے ہلکا پھلکا کام کریں۔اور تیسرے یہ کہ اس ڈھیر کو جو نقد سرمائے کی شکل میں چاروں طرف تیرتا پھرتا ہے کہیں لگانے میں سہولت فراہم کرنے کی غرض سے محدود ذمہ داری کی کمپنیوں کی نئی قانونی صورتیں وہاں گڑھی گئیں جہاں وہ ابھی تک نہیں تھیں اور حصے دار کی ذمہ داری بھی، جو پہلے غیر محدود ہوا کرتی تھی، گھٹادی گئی (بیش یا کم) (1890ء میں جرمنی میں مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں_چندہ 40 فیصدی!)

4۔اس کے بعد صنعت کا رفتہ رفتہ سرمائے کی کمپنیوں میں تبدیل ہونا۔ایک شاخ کے بعد دوسری کا یہی حشر ہوتا ہے۔ پہلے لوہے کی صنعت جہاں اب دیو پیکر کارخانوں کی ضرورت ہے (اس سے پہلے معدنی کانیں جہاں کہیں ابھی تک وہ حصص کی بنیاد پر منظم نہیں ہوگئی تھیں)۔ پھر کیمیاوی صنعت، اسی طرح مشین سازی کے کارخانے۔ براعظم یورپ میں ٹیکسٹائل صنعت؛ انگلستان میں لنکا شائر کے صرف چند علاقوں میں (اولڈہام اسپننگ مل، برنلے ویونگ مل وغیرہ، درزیوں کی امداد باہمی کی انجمنیں، لیکن یہ محض ابتدائی مرحلہ ہے، جو اگلے ہی بحران میں مالکوں کے ہتھے چڑھ جائیں گی)، شراب کی بھٹیاں (امریکہ والی چند برس ہوئے کہ انگلستانی سرمائے کے ہاتھ فروخت ہوگئیں، پھر کنتیس، باس، الساپ)۔ پھر ٹرسٹ جو مشترک انتظامیہ کے تحت دیو پیکر کاروبار قائم کرتے ہیں (جیسے کہ یونائیٹڈ الکلی)۔ معمولی انفرادی فرم کم وبیش صرف ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے کاروبار کو اس مقام پر لانے کے لیے جہاں وہ اتنا بڑا ہو جائے کہ اس کی ''بنیاد پر حصہ داروں کی کمپنی قائم کی جاسکے''۔

اسی طرح تجارت میں: لیفس، پارسنس، مورلیز، ماریسن، ڈلن، یہ سب فرمیں حصہ داروں کی کمپنی ہوگئیں۔ یہی کیفیت اب تک خردہ فروشی کی دوکانوں پر طاری ہوگئی، اور محض ''اسٹورز'' جیسی امداد باہمی کے لبادے ہی میں نہیں۔

اسی طرح انگلستان تک میں بینک اور ساہوکاری کے دوسرے ادارے۔ نئے بینکوں کی ایک

زبردست تعداد، سب کی ذمے داری محدود ہے۔ گلنز وغیرہ جیسے پرانے بینک بھی، سات نجی حصے داروں کے ساتھ، لمیٹڈ کمپنیوں میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔

5۔ یہی زراعت کے میدان عمل میں ہوتا ہے۔ زبردست پیمانے پر توسیع شدہ بینک، خصوصاً جرمنی میں ہر طرح کے نوکر شاہی ناموں کے تحت، زیادہ سے زیادہ گروی رکھنے والے بن جاتے ہیں؛ اپنے حصص کے ساتھ زمینی املاک کی اصل میں زیادہ ملکیت اسٹاک ایکسچینج میں منتقل کر دی جاتی ہے اور یہ بات اس وقت اور بھی زیادہ صادق آتی ہے جبکہ کھیت قرض خواہوں کے ہاتھوں میں پڑ جاتے ہیں۔ یہاں گھاس کے میدانوں کی کاشت کا زرعی انقلاب بڑا ہی اثر انگیز ہے؛ اگر یہ جاری رہتا ہے تو اس زمانے کی پیش بینی کی جا سکتی ہے جبکہ انگلستان اور فرانس کی زمین بھی اسٹاک ایکسچینج کے ہاتھوں میں ہوگی۔

6۔ اب غیر ممالک میں تمام سرمایہ حصص کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔ صرف انگلستان ہی کا تذکرہ کریں تو: امریکی ریلیں، شمالی اور جنوبی (اسٹاک ایکسچینج کی فہرست ملاحظہ فرمائیں)، گولڈ برگ وغیرہ۔

7۔ پھر نوآبادی بنا لینا۔ آج یہ خالصتاً اسٹاک ایکسچینج کے تابع ہے جس کے مفاد میں یورپی طاقتوں نے چند برس ہوئے افریقہ کو تقسیم کر لیا اور فرانسیسیوں نے تیونس اور ٹونکن کو فتح کیا۔ افریقہ براہ راست کمپنیوں کو پٹے پر دے دیا گیا (نائجیریا، جنوبی افریقہ، جرمن جنوب مغربی اور جرمن مشرقی افریقہ)، اور مشونالینڈ اور ناٹال پر رہوڈس نے اسٹاک ایکسچینج کے لیے قبضہ کر لیا۔

تتمہ: ''سرمایہ'' کی تیسری جلد

کے ستائیسویں باب میں اضافہ (5)

مارکس کی تحریر کردہ مندرجہ بالا سطور کے بعد سے اب تک، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، صنعتی کاروباروں کی نئی صورتوں کی تشکیل ہوگئی ہے جو مشترکہ املاک کی کمپنیوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کو ظاہر کرتی ہیں۔ آج بڑے پیمانے کی صنعت تمام میدانوں میں پیداوار کو جس روز افزوں رفتار سے بڑھا سکتی ہے وہ بڑھی ہوئی حاصل پیداوار کی منڈی کی توسیع کی روز افزوں سست رفتاری سے برابر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اول الذکر ایک مہینے میں جو کچھ تیار کر کے نکالتی ہے وہ موخر الذکر برسوں میں بھی بمشکل جذب کر پاتی ہے۔ اس میں تحفظی محصولات کی پالیسی کو اور جمع کر لیجئے جس کے ذریعے ہر صنعتی ملک باقی تمام خصوصاً انگلستان سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کر کے بیٹھا ہے اور یہاں تک کہ دیسی پیداواری صلاحیت مصنوعی طور پر بھی بڑھا لیتا ہے۔ نتائج یہ ہوتے ہیں کہ حد سے زیادہ پیداوار کی، قیمتوں کے گر جانے کی، منافعوں کے گھٹنے اور یہاں تک کہ بالکل ہی غائب ہو جانے کی بیماری پرانی ہو جاتی ہے؛ مختصر یہ کہ مقابلے بازی کی وہ آزادی جس کی پہلے بڑی ڈینگیں ماری جایا کرتی تھیں اپنی چھوٹ کی حد آخر تک پہنچ گئی ہے اور اسے اپنے واضح، باعث رسوائی دیوالیہ پن کا خود ہی اعلان کر دینا چاہئے۔ اور ہر ملک میں ایسا ہی ہو رہا ہے، وہ اس طرح کہ کسی خاص شاخ کے بڑے بڑے صنعت کار پیداوار کو نظم وضبط میں رکھنے کے لیے اپنی کارٹیل بنا کر اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک کمیٹی ہوتی ہے جو فیصلہ کرتی ہے کہ ہر ادارہ کتنی مقدار میں اشیائے تجارت تیار کر لے اور آنے والی فرمائشوں کی تقسیم کے سلسلے میں اس کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے۔ کبھی کبھار ایسی بین الاقوامی کارٹیل بھی قائم ہوئیں جیسے کہ لوہے کی انگلستان اور جرمن صنعتوں کی۔ لیکن پیداوار میں انجمن سازی کی یہ شکل بھی کافی نہ ہوئی۔ انفرادی فرموں کے مفادات کے درمیان ٹکراؤ اکثر و بیشتر پیدا ہو جاتا جس سے مقابلے بازی بحال ہو جاتی۔ بعض شاخوں میں، جہاں پیداوار کے پیمانے نے اجازت دی۔ صنعت کی اس شاخ کی پوری پیداوار ایک ہی بڑی، مشترکہ املاک کی کمپنی میں ایک ہی انتظامیہ کے تحت مجتمع ہوگئی۔ امریکہ میں ایسا بار بار کیا گیا ہے؛

یورپ میں اب تک کی سب سے بڑی مثال یونائیٹڈ الکلی ٹرسٹ کی ہے جو پورے برطانیہ میں الکلی کی پیداوار کو ایک ہی کاروباری فرم کے اختیار میں لے آیا ہے۔ تیس سے زیادہ انفرادی کارخانوں کے سابقہ مالکوں کو ان کے پورے کاروبار کی قدر کے تخمینے کے مطابق حصص مل گئے ہیں جو کل ملا کر کوئی 50 لاکھ پاؤنڈ اسٹرلنگ کے ہیں جو کہ اس ٹرسٹ کا قائم سرمایہ ہے۔ ٹیکنیکل نظم ونسق انہیں کے ہاتھ میں ہے جن کے پہلے تھا لیکن کاروباری کنٹرول عام انتظامیہ کے ہاتھ میں مرکوز کر دیا گیا ہے۔ جاری سرمایہ جو کل ملا کر کوئی 10 لاکھ پاؤنڈ کا ہے، خریدنے کے لیے عام لوگوں کو پیش کیا گیا تھا۔ مجموعی سرمایہ، اس لیے، 60 لاکھ پاؤنڈ اسٹرلنگ کا ہے۔ اس طرح، اس شاخ میں جو پوری کیمیاوی صنعت کی بنیاد کی تشکیل کرتی ہے، انگلستان میں مقابلے بازی کی جگہ اجارہ داری کو مل گئی ہے اور اطمینان کی بات ہے کہ پورے سماج، قوم کے ذریعے آئندہ استحصال کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔

نوٹس:

(1) دونزیتی کے مزاحیہ اوپیرا ''لے لیزیر دامور'' میں ایک نیم حکیم۔ ایڈیٹر

(2) کچھ عرصے بعد انہیں (ہائنے کے الفاظ میں) ''اپنی شہرت سے جانے پہچانے'' حضرت نے اپنے آپ کو اس بات کے لیے مجبور پایا کہ جلد سوم کی، جبکہ وہ 1895ء میں ''راسیگنا'' کے پہلے شمارے میں اطالوی زبان میں شائع ہو گئی، میری تمہید کا جواب دیں۔ یہ جواب ''ریفارما سوسیئیل'' مورخہ 25 فروری 1895ء میں شائع ہوا ہے۔ میری ناگزیر (اور اس لیے دو چند کراہت پیدا کرنے والی) بے اندازہ چاپلوسی کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ تاریخ کے مادی تصور کے لیے مارکس کا سہرا اپنے سر باندھ لینے کا انہیں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اس کو تو انہوں نے بہت پہلے، 1885ء ہی میں تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی قطعی اتفاقیہ طور پر، رسالے کے ایک مضمون میں۔ لیکن اس کے جواب میں وہاں جہاں کہ اس کا ذکر خاص طور سے بہ اصرار واجب تھا، یعنی اس موضوع پر اپنی کتاب میں وہ اس پر خاموشی سے گزر جاتے ہیں، جس میں کہ مارکس کا ذکر پہلی بار صفحہ 129 پر آیا ہے، اور پھر محض فرانس میں چھوٹی چھوٹی زمینی املاک کے سلسلے میں۔ اور اب وہ دیدہ دلیری سے اعلان کرتے ہیں کہ اس نظریے کے بانی مارکس قطعی نہیں ہیں؛ اگر ارسطو اس کی

طرف پہلے ہی اشارہ نہیں کر چکے تھے،تو ہیرنگٹن نے ضرور ہی بہت پہلے،1656ء میں اس کا اعلان کر دیا تھا اور پھر تو مؤرخوں، سیاستدانوں، ماہرین قانون اور معاشیات دانوں کا ایک سلسلۂ درخشندہ ہے کہ جنہوں نے مارکس سے ایک عرصہ قبل اس کے ارتقاء میں حصہ لیا تھا۔ یہ سب کچھ لوریا کی کتاب کے فرانسیسی ایڈیشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ کامل سارق۔ جب مارکس کے ہاں سے سرقہ کر کے ڈینگیں ہانکنا میں نے ان کے لیے ناممکن کر دیا تو وہ دلیری کے ساتھ دعویٰ کرنے لگے کہ مارکس نے دوسروں کا طرہ اپنے لگا لیا جیسے کہ یہ حضرت خود کیا کرتے ہیں۔ میرے دوسرے حملوں میں سے لوریا اس کو زیر بحث لاتے ہیں جس کا تعلق ان کے اس دعوے سے ہے کہ ''سرمایہ'' کی دوسری یا یقیناً تیسری جلد لکھنے کا مارکس کا کبھی بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔''اور اب میرے اوپر دوسری اور تیسری جلدیں فاتحانہ انداز میں پھینک کر اینگلز نے جواب دیا ہے۔۔۔ بہت خوب! اور ان جلدوں سے مجھے اتنی مسرت حاصل ہوئی ہے، جن کا میں اپنے بے حد ذہنی حظ کے لیے ممنون ہوں، کہ مجھے اپنی فتح کبھی بھی اتنی عزیز نہیں تھی، جتنی کہ آج یہ شکست ہے، اگر واقعی یہ شکست ہے تو۔ لیکن کیا یہ واقعی شکست ہے؟ لیکن کیا واقعی یہ حقیقت ہے کہ بے ربط یادداشتوں کا یہ مرکب جو اینگلز نے نیک جذبۂ دوستی کے ساتھ مرتب کیا ہے، مارکس نے اشاعت کی غرض سے لکھا تھا؟ کیا یہ فرض کر لینا واقعی مناسب ہوگا کہ مارکس نے۔۔۔ اپنی تخلیق اور اپنے نظام کی تکمیل کا کام ان صفحات کے سپرد کر دیا ہے؟ کیا واقعی یہ بات یقینی ہے کہ مارکس نے منافع کی اوسط شرح والا باب شائع کیا ہوتا جس میں وہ حل، جس کا برسوں سے وعدہ کیا جا رہا تھا، انتہائی حقیر اسرار، انتہائی عامیانہ انداز میں الفاظ کی شعبدے بازی بنا کر رکھ دیا گیا ہے؟ اس پر شبہ کرنے کی تو کم از کم اجازت ہونی چاہیے۔۔۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ، میرے خیال میں، اپنی شاندار کتاب شائع کرنے کے بعد مارکس کا ارادہ نہیں تھا کہ اس کا کوئی جانشین بھی فراہم کریں یا وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اپنی عظیم الشان تخلیق کی تکمیل کا کام۔ اپنی ذمہ داری کے دائرے سے باہر، اپنے وارثوں کے ذمے کر جائیں۔''

یہ صفحہ 267 پر لکھا ہے۔ اپنے بدذوق جرمن قارئین کے بارے میں ہائنے اس سے زیادہ حقارت آمیز الفاظ استعمال نہیں کر سکتا تھا جتنے کہ یہ ہیں: ''آخر کار مصنف اپنے قارئین سے اس طرح مانوس ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ ذی فہم مخلوق ہوں۔'' ممتاز و مشہور لوریا کیا سوچتے ہوں گے کہ

ان کے قارئین کیا ہیں؟

آخر میں مجھ بدنصیب پر تعریفوں کا ایک اور بوجھ آن پڑتا ہے۔اس میں ہمارے سگا ناریل اپنے آپ کو بل آم کے برابر پہنچا لیتے ہیں جو آیا تو تھا بد دعا دینے لیکن اس کے لب سے،اپنی خواہش کے خلاف ''دعائیہ اور محنت کے کلمے نکلے''۔کیونکہ بھلے بل آم کی شان امتیازی یہ تھی کہ وہ ایک ایسے گدھے کی سواری کرتا تھا جو اپنے مالک سے زیادہ دانشمند تھا۔اس بار بظاہر بل آم اپنے گدھے کو گھر ہی چھوڑ آیا تھا۔

(3) جہاں c=بقا پذیر سرمایہ؛v= تغیر پذیر سرمایہ؛s=قدر زائد؛r=شرح قدر زائد؛p =شرح منافع۔ایڈیٹر

(4) افسانوی ڈاکو پروکرسٹیز جو اپنے اسیروں کو ایک چارپائی پر لٹاتا تھا۔اگر وہ چھوٹے ہوتے تو ان کو شکنجے میں کس دیتا تھا اور بڑے ہوتے تو ان کے پاؤں کاٹ ڈالتا تھا۔

(5) اینگلز کا اضافہ مشترکہ املاک کی کمپنیوں کے کردار کی تفصیل اور ان کی توسیع کے عمل کے متعلق مارکس کے بیان کے ساتھ آتا ہے۔ایڈیٹر

اصطلاحات

اجماع (Accumulation)

کثیر تعداد کی چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا۔

ارتکاز (Concentration)

جمع ہونے کا، اکٹھا ہونے کا عمل

اشتراکِ عمل (Co-operation)

پیداواری عمل میں انفرادی دستکاری سے اگلا مرحلہ جس میں ایک چیز کے اجزا مختلف ہاتھوں میں بنتے تھے اور پھر ایک جگہ اُنہیں مصنوعہ کی شکل دی جاتی تھی۔ مارکس نے اس کے لیے گھڑی کی مثال دی ہے۔

اشیاء کا استصنام (Fetishism of Commodities)

قدیم جرمنی میں ضعیف الاعتقاد لوگوں نے ایک خیالی بکرا بنایا ہوا تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی اور اُسے خدا کا درجہ حاصل تھا۔ یعنی لوگوں کی اپنی ذہنی اختراع ایک اعلیٰ وارفع درجہ پا گئی۔ مارکس نے اس دیو مالا کو جدید سرمایہ دارانہ ''بُعد'' کی وضاحت کے لیے استعمال کیا ہے۔ مارکس کے نزدیک ''شے'' (Commodity) ایسی چیز ہے جسے محنت کش اپنی مقرونی محنت سے پیدا کرتا ہے، اور جوں جوں وہ اس پر زیادہ محنت صرف کرتا ہے توں توں وہ اِس کی دسترس سے باہر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اشیاء کی گردش (Circulation of Commodities)

اشیاء منڈی میں بیچنے کی غرض سے لائی جاتی ہیں، یہاں ایسے لوگ اِنہیں خرید لیتے ہیں جن کے لیے یہ استعمال کی قدر کی حامل ہوتی ہے۔ اشیاء کا منڈی میں بیچنے کی حیثیت سے لایا جانا اور پھر استعمال کی لیے ان کا منڈی سے باہر چلے جانا ایک ایسا عمل ہے جسے فعال بنانے کے لیے نقدی یا روپے کی صورت میں ایک 'ذریعے' کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ اشیاء کی گردش خرید اور

فروخت کا ایسا عمل ہے جس میں نقدی یا روپیہ گردش کے وسیلے کا کام کرتا ہے۔

اُجرتی مزدور(Wage Labourer)

وہ مزدور جسے سرمایہ دار ایک خاص اُجرت پر آلاتِ پیداوار پر کام پر لگاتا ہے۔غلام داری اور جاگیرداری نظامِ پیداوار میں اُجرتی مزدور موجود نہ تھا۔ پیداواری عمل میں 'اُجرتی مزدور' مینوفیکچر کے متعارف ہونے سے نمودار ہوا ہے۔

اُجرت(Wages)

روپے یا نقدی کی وہ خاص مقدار جس کے عوض محنت کش اپنی محنت کو سرمایہ دار کے ہاتھوں بیچتا ہے۔

آلاتِ پیداوار(Impliments of Production)

وہ پیداواری اوزار یا آلے جن پر محنت کش کام کر کے 'شے' کی تخلیق کرتا ہے۔مثال کے طور پر کپڑا بنانے کی فیکٹری میں پاور لوم یا دیگر مشینری۔

آلاتِ محن(Instruments of Labour)

وہ آلات جن پر کام کرتے ہوئے محنت کش اپنی خاص نوعیت کی محنت کے ذریعے کسی خاص چیز کی تخلیق کرتا ہے۔(دیکھیے آلاتِ پیداوار)

بازتخلیق/ تخلیقِ نو(Reproduction)

کسی چیز کو دوبارہ تخلیق کرنا

بقاپذیر سرمایہ(Constant Capital)

سرمائے کا وہ حصہ جو مصنوعہ میں من وعن شامل ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر کپڑا بُننے کے عمل میں دھاگا مکمل طور پر مصنوعہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔دیگر چیزوں میں مشینری کے پُرزوں کا خاص حد تک گھسنا، ایندھن، بجلی اور جگہ کا کرایہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں مصنوعہ میں تھوڑی مقدار میں شامل ہوتی ہیں مگر اوسط کا کُلیہ ہمیں ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے کہ مثال کے طور پر ایک گز کپڑے میں ان چیزوں کا تناسب کیا ہے۔

بُعد، مغائرت(Alienation)

اردو میں Alienation کے کئی تراجم رائج رہے ہیں جن میں نمایاں یہ ہیں:

دُوری، مغائرت، غیریت، اجنبیت، اکلاپا، بُعد وغیرہ۔ اس کے لفظی معانی ''غیر'' کے ہیں۔ مارکس نے اس اصطلاح کو سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کے ساتھ جوڑ کر اِس کے معنی وضع کیے ہیں۔ مارکس کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار میں فرد اور معاشرہ، فرد اور اُس کا کنبہ، اور معاشرے میں افراد کے باہمی تعلقات سچے انسانی تعلق سے بدل کر روپے پیسے اور اشیاء کے تعلقات بن چکے ہیں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار میں محنت کے عمل کے ساتھ جُڑ کر فرد ''بُعد'' کا شکار ہو گیا ہے۔ اُسے نہ صرف سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار سے میل کھاتی صلاحیتوں کو کھینچ تان کر اپنے اندر پروان چڑھانا پڑتا ہے بلکہ زندگی کی بنیادی ضروریات حاصل کرنے کے لیے اُنہیں اِن صلاحیتوں کو بیچنا پڑتا ہے۔ اگلا مرحلہ خاندانی تعلقات کا ہے۔ فرد جس نوعیت کی اور جس درجے کی محنت فیکٹری میں سرانجام دے کر اُجرت پاتا ہے اُسی مناسبت میں سماج کی مختلف پرتوں میں کسی پرت کے ساتھ وہ جُڑ پاتا ہے۔ یعنی سرمایہ دارانہ نظام ہی فرد کی سماج میں حیثیت متعین کرتا ہے نہ کہ فرد کے انسانی خصائص۔ پھر افراد کا باہمی تعلق ''اشیاء'' (Commodities) متعین کرتی ہیں۔

بُنتر (Form) اور مافیہہ (Content)

''بُنتر'' اور ''مافیہہ'' کے رمزیے فلسفیانہ رمزیے ہیں۔ 'بُنتر' وہ کچھ ہے جس میں کسی چیز یا مظہر کی مافیہہ اپنا اظہار کرتی ہے۔ اور 'مافیہہ' وہ کچھ ہے جسے 'بُنتر' اپنے اندر بیان کرتی ہے۔

پرولتاریہ (Proletariat)

سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار سماج کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو آلاتِ پیداوار کا مالک ہے، اصطلاح میں اِسے 'بورژوازی' کہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اِن آلاتِ پیداوار پر کام کر کے اپنے لیے ذرائع معاش حاصل کرتا ہے، اصطلاح میں اِسے ''پرولتاریہ'' کہتے ہیں۔

پیداواری تعلقات (Production Relations)

افراد کے وہ باہمی تعلقات جن کی توصیف رائج پیداواری نظام کرتا ہے۔

پیداواری قوتیں (Productive Forces)

انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا ایسا سنگم جو فطرت کے مہیا کردہ مواد پر کام کر کے اِسے انسان کے لیے قابلِ استعمال بناتی ہیں۔ دست کاری سے لے کر جدید مشینری تک اور انسان

کے بنائے ہوئے پہلے اوزار سے لے کر جدید ترین ٹیکنالوجی تک سب کچھ ''پیداواری قوتوں'' ہی کا مرہونِ منت ہے۔

پیداوار(Production)

ضروریاتِ زندگی کی تسکین کے لیے فطرت سے براہِ راست حاصل کرنے کی بجائے اپنی تعقلی مادی سرگرمی کے ذریعے فطرت پر کام کر کے انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے اُسے ''پیداوار'' کہتے ہیں۔

تجریدی محن، مجرد محن(Abstract Labour)

انسان فطرت پر کام کر کے جو کچھ پیدا کرتا ہے اُس پر اُس کی خاص نوعیت کی محنت استعمال ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُس کی وہ خاص پیداوار اُس کی کسی خاص ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر پہننے کے لیے کپڑا یا لباس۔ لیکن جب اِسی چیز کو بیچنے کے لیے بنایا جائے گا تو اِس کی قدر کا تعین کرنے کے لیے اُسی خاص نوعیت کی محنت کو چیز کے خواص سے الگ کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اُس پر خرچ ہونے والی محنت کو ضروریاتِ زندگی کی تسکین کے پیمانے پر نہیں ناپا جائے گا بلکہ اُسے گھنٹوں، ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے وقت کے پیمانے پر ناپا جائے گا۔ جب کسی چیز پر خرچ ہونے والی محنت خاص نوعیت کی محنت نہ رہے اور اُسے وقت کے دورانیے کے پیمانے پر ناپا جائے تو اسے مارکس نے ''تجریدی محن'' کہا ہے۔

تجرید(Abstraction)

الگ، نرا، اکیلا۔ اصطلاحاً مادی خواص سے عاری۔

تغیر پذیر سرمایہ(Variable Capital)

سرمائے کا وہ حصہ جو میکانکی انداز میں مصنوعہ میں شامل نہیں ہوتا بلکہ جس کو سرمایہ دار اپنی مرضی سے گھٹا بڑھا سکتا ہے اسے مارکس نے ''تغیر پذیر سرمایہ'' کہا ہے۔ تغیر پذیر سرمایہ 'اُجرتوں' پر مشتمل ہے۔

جدلیات(Dialectics)

ضدین کا باہمی ہم آہنگی کے ذریعے نئی چیز میں تبدیل ہونے کا عمل۔ فلسفے میں شعور اور وجود کا باہمی تعلق۔ 'جدلیات' کا ضابطہ فلسفے کے قدیم ترین ضابطوں میں سے ایک ہے۔ ہیگل نے

'جدلیات' کو اپنے فلسفے میں طریقۂ کار کے بطور استعمال کیا اور تمام فلسفیانہ روایت کو نئی شکل دینے میں کامیاب ہوا۔ مارکس نے ہیگل کے اس جدلیاتی طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے ہیگل کی خامیوں کو دور کیا اور ''جدلیاتی مادیت'' کے ذریعے سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کا تجزیہ کیا۔

دست کاری (Handicraft)

پیداوار کا ایک قدیمی طریقۂ کار جس میں چیزیں مشین کے بجائے ہاتھ سے بنائی جاتی تھیں۔

دولت (Wealth)

علمِ معاشیات میں 'دولت' کا لفظ روپے پیسوں کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے تنقیدی مطالعے کے دوران اس اصطلاح کو سائنسی بنیادوں پر پرکھا اور اِسے طبعِ پیداوار سے جوڑ کر اس کے معنی ڈھونڈے۔ مارکسی فلسفۂ معاشیات میں ''اشیاء کے انبار'' کو دولت کہا گیا ہے۔ مارکس کے نزدیک غلام داری، جاگیرداری اور سرمایہ داری نظامِ پیداوار میں ''دولت'' کا تصور مختلف رہا ہے۔

ذرائع پیداوار (Means of Production)

پیداوار کے ایسے وسیلے جن پر کام کر کے چیزوں کی پیداوار ممکن ہوتی ہے۔

ذرائع معاش (Means of Subsistence)

ضروریاتِ زندگی کی بنیادی چیزیں، جن میں خوراک، لباس، سونے جاگنے کا سامان اور اپنے معاشرتی درجے کی مناسبت سے جمع خرچ شامل ہے۔

روپیہ (Money)

مارکس نے روپیہ، قیمت اور دولت میں فرق کیا ہے۔ مارکس کے نزدیک ''روپیہ'' کسی شے کی قدر کو ناپنے کا وہ پیمانہ ہے جس کی تصدیق حکومتی مُہر سے ہوتی ہے۔ اردو میں Money کے لیے ''نقدی''، ''زرِ نقد'' اور 'زر' کی اصطلاحات رائج ہیں۔ ''روپیہ'' اگرچہ پاکستان کی کرنسی کا نام ہے لیکن قارئین کی آسانی کے لیے یہ اصطلاح Money کے لیے اختیار کی گئی ہے۔

زائد محن/زائد محنت (Surplus Labour)

محنت کش کو سرمایہ دار خاص اُجرت دے کر خاص وقت کے لیے کام پر لگاتا ہے۔ وہ سرمایہ

دار کے مہیا کیے گئے آلاتِ محن پر کام کر کے 'اشیاء' کی پیداوار کرتا ہے۔ سرمایہ داران اشیاء کو منڈی میں فروخت کر کے ایک طرف محنت کش کو اُس کی طے شدہ اُجرت دیتا ہے اور دوسری طرف اپنے لیے نفع بھی کماتا ہے۔ سرمایہ دار کے نفع کی تحقیق کرتے ہوئے مارکس مزدور کے محنت کے دورانیے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حصہ وہ جس کے دوران محنت کش اپنی اُجرت پیدا کرتا ہے اور دوسرا وہ جس کے دوران وہ سرمایہ دار کے لیے 'نفع' تخلیق کرتا ہے۔ مزدور کی محنت کا وہ حصہ جو وہ سرمایہ دار کے لیے سرانجام دیتا ہے مارکس اُسے ''زائد محن'' کہتا ہے۔

زائد وقتِ محن (Surplus Labor Time)

وقت کا وہ دورانیہ جس میں محنت کش سرمایہ دار کے لیے کام کرتا ہے۔ (دیکھیے زائد محن)

سرمائے کا اجماع (Accumulation of Capital)

زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنا سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار کا بنیادی وصف ہے۔ یہ وصف سرمایہ دار کو ایسے طریقے ایجاد و اختراع کرنے پر مائل کرتا ہے جن کے ذریعے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کی جا سکے۔ اس مقصد کے لیے وہ مندرجہ ذیل امور سرانجام دیتا ہے:

1۔ صنعت میں جدید ترین مشینری متعارف کرانا۔

2۔ صنعت کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا جہاں سے اُسے مصنوعات کے جملہ اجزا اور خام مال آسانی سے مہیا ہو سکیں۔

3۔ بقا پذیر سرمائے کو بڑھانا اور تغیر پذیر سرمائے کو گھٹانا۔

4۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قیام۔ وغیرہ۔

اس سارے عمل میں سرمایہ ایک جگہ مرتکز ہو جاتا ہے جسے ''سرمائے کا اجماع'' کہا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ سماج/معاشرہ (Capitalist Society)

معاشرے کی ایسی بُنتر جس کی توصیفات سرمایہ دارانہ طبع پیداوار کرتی ہے۔

سیاسی معیشت، سیاسی معاشیات (Political Economy)

معیشت کا مطالعہ کرنے اور جانچنے کا وہ طریقہ جس میں 'معیشت' کی تشریحات سیاسی طاقتوں کی مرضی اور منشا کے مطابق کی جاتی ہیں۔ چنانچہ معیشت کے مطالعے کا یہ طریقہ سائنسی نہیں ہے۔ مارکس نے اِسے 'ولگر معاشیات' یا 'سطحی معاشیات' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

شے(Commodity)

وہ چیز جسے بیچنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے۔ مارکس کے لفظوں میں 'شے' وہ چیز ہے جو اپنے خاصوں کے ذریعے سے کسی نہ کسی طرح انسان کی حاجات کی تسکین کرتی ہے۔ مارکس نے شے کے اندر چار عناصر کا کھوج لگایا: 1۔قدر، 2۔قدرِ صرف، 3۔قدرِ مبادلہ، 4۔قدرِ زائد

طبعِ پیداوار(Mode of Production)

انسان خارجی دنیا سے جُڑ کر اور اِس پر کام کر کے اپنی حاجات کی تسکین کے لیے اسے تبدیل کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ خاص نوعیت کے آلات ایجاد کرتا ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی تسکین کے لیے فطرت سے جُڑنا اُس پر دو طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک طرف اُس کی اپنی سرگرمی کی خاص نوعیت اُسے وسیع تر پیداواری عمل میں خاص درجہ دیتی ہے، کیونکہ وہ وسیع تر پیداواری عمل کا محض ایک جزو ہی سرانجام دے سکتا ہے، اور دوسری طرف اُس کے سماجی تعلقات کی نوعیت اور سطح بھی اِس سے متعین ہوتی ہے۔ ''طبعِ پیداوار'' دراصل پیداواری عمل کے ان دونوں پہلوؤں کا امتزاج ہے۔

فطرت(Nature)

انسان سے آزاد وہ مظہر جس پر کام کر کے انسان اسے اپنی ضرورت کے مطابق شکل دیتا ہے یا دے سکتا ہے۔

قدر کی بُنتر(Form of Value)

مارکس نے اپنی کتاب ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کے پہلے باب میں ''قدر کی بُنتر'' پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ 'قدر' اُس چیز کا بنیادی خاصا ہے جسے بیچا جا سکتا ہے۔ کوئی چیز اُس وقت تک قدر کا درجہ نہیں پا سکتی جب تک اس پر انسانی محن استعمال نہیں ہوتی۔ انسانی محنت چیز میں ایسے خاصے پیدا کرتی ہے جن کی بدولت انسان اپنی کسی نہ کسی ضرورت کی تسکین کرتا ہے۔ انسانی محنت چیز میں جو خاصے پیدا کرتی ہے مارکس نے اُسے 'قدر' کا نام دیا ہے۔ 'قدر' اپنا اظہار جس شکل میں کرتی ہے اُسے 'قدر کی بُنتر' کہتے ہیں۔

قدر کی متعلقاتی بُنتر(Relative Form of Value)

جب کوئی 'شے' اپنی قدر کا اظہار کسی دوسری 'شے' کی جسمانی بُنتر میں کرتی ہے تو اِس دوسری

شے کو پہلی شے کی ''قدر کی متعلقاتی بُنتر'' کہا جاتا ہے۔

قدرِ زائد کی شرح (Rate of Surplus Value)

اُجرت سرمائے کے تغیر پذیر حصے کی تشکیل کرتی ہے چنانچہ یہ مقدار میں اور بقا پذیر سرمائے کے ساتھ اپنے تناسب میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح لازمی محنت اور زائد محنت کا باہمی تناسب بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ بقا پذیر سرمایہ اور تغیر پذیر سرمایہ جس تناسب سے قدرِ زائد پیدا کرتا ہے اسے ''قدرِ زائد کی شرح'' کہتے ہیں۔

قدرِ زائد (Surplus Value)

محنت کش کی پیدا کی گئی قدر کا وہ حصہ جو سرمایہ دار کے لیے نفع تخلیق کرتا ہے اُسے 'قدرِ زائد' کہتے ہیں۔

قدرِ صرف/قدرِ افادہ (Use Value)

کسی چیز کی ایسی خصوصیت یا ایسا وصف جو انسان کی کسی ضرورت کی تسکین کرتا ہے اُسے 'قدرِ صرف' کہتے ہیں۔

قدرِ مبادلہ/تبادلہ (Exchange Value)

مبادلے کے عمل میں کسی 'شے' کی قدر کو 'قدرِ مبادلہ' کہا جاتا ہے۔

قدر (Value)

مارکس نے 'قدر' اور 'قدرِ صرف' میں فرق کیا ہے۔ کسی چیز کی انسان کے لیے افادیت اِس چیز پر محنت کے بغیر بھی ممکن ہے۔ انسان سے آزاد فطرت کا مہیا کردہ مواد انسان کے براہِ راست استعمال میں بھی آ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہوا، قدرتی چراگاہیں وغیرہ، یہ انسان کے لیے قدرِ صرف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب انسان فطرت پر کام کر کے اِس سے کوئی ایسی چیز تخلیق کرتا ہے جو انسان کی کسی ضرورت کی تسکین کرتی ہے تو اس عمل میں انسان کی 'سرگرمی' اس میں 'قدر' کا عنصر پیدا کر رہی ہے۔ 'قدر' وہ عنصر ہے جو ایک 'غیر استعمالی چیز (Non Usevalue)' کو 'استعمالی چیز' (Use Value) بناتی ہے۔

قوتِ محن/قوتِ محنت (Labor Power)

فرد کی ذہنی اور جسمانی قوتوں کا ایسا سنگم جس کے ذریعے انسان فطرت کو اپنی مرضی کے

مطابق شکل دیتا ہے۔

کارآمد محن (Productive Labour)

ایسی سرگرمی جس کے نتیجے میں کوئی کارآمد چیز پیدا ہوتی ہے۔

کرنسی (Currency)

Currency کا لفظ ''Current'' سے ہے۔ اس کا لفظی مطلب ''بہاؤ'' ہے۔ علمِ معاشیات کی رو سے کرنسی وہ میڈیم یا وسیلہ ہے جس کے ذریعے منڈی میں اشیاء کی گردش ممکن ہوتی ہے۔

لازمی وقتِ محن (Necessary Labor Time)

محنت کش کے کام کرنے کے دورانیے کا وہ حصہ جس میں وہ اپنی اُجرت کی تخلیق کرتا ہے۔

مافیہہ (Content)

(دیکھئے بُنتر)

متعلقاتی بُنتر (Relative Form)

جب ایک شے کی بُنتر اپنا اظہار کسی دوسری شے کی بُنتر میں کرتی ہے تو پہلی شے کے لیے دوسری شے کی بُنتر 'متعلقاتی بُنتر' ہوتی ہے۔

متعلقاتی قدرِ زائد (Relative Surplus Value)

جب قدرِ زائد کی شرح اُجرت اور زائد وقتِ محن، بقا پذیر سرمائے اور تغیر پذیر سرمائے کے باہمی تناسب سے نکالی جائے تو اُسے 'متعلقاتی قدرِ زائد' کہتے ہیں۔

محن کی تقسیم (Division of Labour)

سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار میں مصنوعہ کو الگ الگ اجزا کی صورت میں بنایا جاتا ہے۔ اس طریقے سے ہر جزو الگ نوعیت کی محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ چونکہ محنت کش کو ایک ہی جزوی سرگرمی مسلسل سرانجام دینی پڑتی ہے اس لیے مصنوعہ کی تیاری کے لیے درکار مزدوروں کو الگ الگ جزوی کام تفویض کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو 'محن کی تقسیم' یا 'تقسیمِ محن' کہتے ہیں۔

محن کی شدت (Intensification of Labour)

محنت کش ایک خاص طے شدہ وقت کے لیے سرمایہ دار کے پاس کام کرتا ہے۔ محنت کے

سلسلے میں مزدور اور سرمایہ دار کا باہمی معاہدہ یہی ہے کہ اُس نے اِتنی اُجرت میں اِتنے گھنٹے کام کرنا ہے۔ سرمایہ دار اِس مخصوص دورانیے میں زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے طریقے اختیار کرتا ہے، جن کے تحت وہ محن کی کارگزاری میں اضافہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پیچیدہ اور زیادہ پیداوار دینے والی مشینری کو متعارف کرانا، کام کے دوران محنت کش کے کھانا کھانے وغیرہ کے وقفوں کو ممکن حد تک کم کرنا، ادلی بدلی کا نظام متعارف کرانا اور مشین کو چلائے رکھنا وغیرہ۔ اس عمل کو 'محن کی شدت' intensification of labour کہتے ہیں۔

محن کی منڈی (Labour Market)

مارکس کی تعریف کی رو سے ''ہر وہ چیز 'شے' ہے جسے بیچا جا سکے''۔ محنت کش کے پاس مخصوص نوعیت کی محنت ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے۔ جس جگہ یا جن حالات میں محن کی خرید و فروخت ہوتی ہے اُسے 'محن کی منڈی' کہتے ہیں۔ آج کل اس کی مثال شہر کی اندرونی سڑکوں پر محنت کشوں کا ہجوم ہے۔

محنت کی افزودہ کاری، کارگزاری (Productivity of Labour)

(دیکھیے محن کی شدت)

مرکزیت (Centeralization)

انڈسٹری اور سرمائے کے ارتکاز کی وجہ سے محنت کشوں کا ایسی جگہوں پر سکونت اختیار کرنا جہاں اُن کے لیے کارخانوں اور مِلوں وغیرہ میں آنا جانا آسان ہو۔ اس طرح سے 'ارتکاز' کا عمل ''سرمائے کی مرکزیت'' کے ساتھ براہِ راست منسلک ہے۔ (دیکھیے سرمائے کی مرکزیت)

مزدور، محنت کش (Labourer/Worker)

وہ فرد جو اپنی مخصوص نوعیت کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی وجہ سے فطرت پر یا سرمایہ دار کے مہیا کردہ خام مال پر کام کر کے اُس کو مخصوص نوعیت کی ''قدرِ صرف'' میں تبدیل کر سکتا ہے۔

مساوی القدر بُنتر (Equivalent Form)

جب کوئی 'شے' اپنی قدر کا اظہار کسی دوسری شے کی بُنتر میں کرتی ہے تو اُس 'شے' کی اپنی بُنتر دوسری شے کے لیے 'مساوی القدر بُنتر' کا درجہ رکھتی ہے۔

مطلق قدرِ زائد (Absolute Surplus Value)

''وہ قدرِ زائد جسے یومِ کار کی طوالت میں اضافہ کرتے ہوئے حاصل کیا جاتا ہے، میں

اُسے ''مطلق قدرِ زائد'' کہتا ہوں۔'' (مارکس)

مقابلہ (Competition)

سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار میں پیداواری ذرائع کا مالک صرف ایک شخص نہیں ہوتا، بلکہ انفرادی سطح پر کئی لوگ ذرائع پیداوار کے مالک ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظامِ پیداوار میں زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنے کا لالچ ہر انفرادی سرمایہ دار کو اُکساتا ہے کہ وہ پیداوار کے نت نئے طریقے اختیار کرے تاکہ وہ اپنے حریفوں سے سبقت لے سکے۔ اس عمل کو اصطلاحاً ''مقابلہ'' کہتے ہیں۔

مقرونی محن (Concrete Labour)

محنت کی ایسی شکل جو خاص نوعیت کی قدرِ صرف پیدا کرتی ہے اُسے ''مقرونی محن'' کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر لباس، کرسی، میز گھڑی وغیرہ۔

منافع، نفع (Profit)

(دیکھیے قدرِ زائد، تغیر پذیر سرمایہ، بقا پذیر سرمایہ، زائد وقتِ محن، لازمی وقتِ محن وغیرہ)

مینوفیکچر (Manufacture)

صنعت کے ارتقا میں دستکاری اور جدید مشینری کے متعارف ہونے کا درمیانی عرصہ جس میں مصنوعہ کو مکمل تیاری تک مختلف ہاتھوں سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ محن کی تقسیمِ کار کی اولین شکل۔

وقتِ محن / وقتِ محنت (Labour Time)

محنت کش کے کام کرنے کا وہ خاص وقت جس کے دوران وہ سرمایہ دار کے مہیا کردہ ذرائع محن پر کام کرتا ہے اور 'اقدارِ صرف' پیدا کرتا ہے۔

ہم آہنگی (Identity)

ایسا رمزیہ جو ایک چیز یا مظہر کی یا بہت سی چیزوں کی خود اپنے آپ کے ساتھ برابری یا مماثلت کو بیان کرے۔ شے A سے B صرف اور صرف اُس صورت میں ہم آہنگ ہو سکتی ہے کہ جب وہ تمام خاصے (اور تعلقات) جو A کی تخصیص بنا رہے ہیں وہی B کی بھی تخصیص بنائیں، علیٰ ھٰذا القیاس۔ لیکن چونکہ مادی حقیقت متواتر تبدیلی سے دوچار رہتی ہے اِس لیے ایسی چیزیں ممکن ہی نہیں جو حتیٰ کہ خود اپنے بنیادی اوصاف میں بھی مکمل طور پر ہم آہنگ اور برابر ہوں۔ 'ہم آہنگی'

ایک مقرونی وصف ہے، یہ مجرد نہیں، مطلب یہ کہ یہ جبلی طور پر امتیازات اور تضادات کی حامل ہے جو ارتقا کے عمل میں خاص حالات کی وجہ سے باہمی طور پر تحلیل ہو جاتے ہیں۔ چیزوں کی خاص مماثلت کے لیے لازمی ہے کہ وہ اولاً اور اصلاً باہمی طور پر ممیز ہوں؛ دوسری طرف مختلف چیزوں کی اپنی عمومی انفرادی شناخت ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ 'ہم آہنگی' ناقابلِ جدا حد تک 'امتیاز' سے جُڑی ہوئی ہے، چنانچہ متعلقاتی ہے۔ اشیا کی ہر 'ہم آہنگی' عارضی اور مبدل پذیر ہے۔ جب کہ ان کا ارتقا اور تبدیلی مطلق ہیں۔ لیکن خالص علوم میں مجرد 'ہم آہنگی' ہی کو بروئے کار لایا جاتا ہے.....(ڈکشنری آف فلاسفی، مرتبہ ایم۔ روزانتھال، پی۔ یوڈن)

یومِ کار (Working Day)

دن کا وہ حصہ جس کے دوران ایک محنت کش ذرائعِ محن پر کام کرتا ہے۔ محنت کش اور سرمایہ دار کے درمیان کشمکش کا آغاز ''یومِ کار'' کی طوالت پر ہوتا ہے۔ ابتدا میں محنت کش ایک دن میں 12 سے اٹھارہ گھنٹے تک کے لیے کام کرتا تھا۔ 'یومِ کار' کی طوالت کے لیے سرمایہ دار اور محنت کش کی باہمی کشمکش کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس ضمن میں بتدریج قانون سازی ہوتی رہی۔ اولاً یہ قانوناً 12 گھنٹے کا مقرر ہوا، پھر 10 گھنٹے کا اور آخر کار 8 گھنٹے کے یومِ کار کا قانون رائج کر دیا گیا۔ 'یومِ کار'' کو آٹھ گھنٹے تک لے کر آنے میں محنت کش طبقے کی لمبی جدوجہد اور کئی قربانیوں کا ہاتھ ہے۔